قناعت کی خوبی

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ اِلَّا وَبِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ وَيُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ الْخَلَائِقَ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ يٰاَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوْا اِلٰى رَبِّكُمْ مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى .

[مسند احمد: ٥/ ١٩٧۔ الحاکم: ٢/ ٤٤٥ وقال صحیح والذھبی الصحیحه: ٤٤٣]

”جس دن بھی سورج طلوع ہوتا ہے اس کی دونوں جانب دو فرشتے بلند آواز سے کہہ رہے ہوتے ہیں جس کو جنوں اور انسانوں کے علاوہ تمام مخلوقات سنتی ہے۔ لوگو! اپنے پروردگار کی طرف آ جاؤ۔ تھوڑی چیز جو کافی ہو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو انسان کو غافل کر دے۔“

افضل اعمال

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:
یا رسول اللہ ﷺ اس دینی امر میں آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آزاد بھی اور غلام بھی۔
میں نے عرض کیا: اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھی بات اور کھانا کھلانا۔
میں نے عرض کیا: ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صبر اور سخاوت۔
میں نے عرض کیا: کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔
میں نے عرض کیا: کون سا ایمان افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھے اخلاق۔
میں نے عرض کیا: کون سی نماز افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لمبا قیام وقراءت یا لمبا خشوع وخضوع۔
میں نے عرض کیا: کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم وہ سب کام چھوڑ دو جن کو تمہارا رب ناپسند سمجھتا ہے۔
میں نے عرض کیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا گھوڑا مارا جائے اور اس کا بھی خون بہا دیا جائے۔
میں نے عرض کیا: کون سے اوقات بہتر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پچھلی رات کا پیٹ۔

[مسند احمد: ۴/ ۳۸۵۔الحاکم: ۱/۱۶۴اس کے کچھ حصے مسلم میں بھی ہیں: ۲۹۴]

عمرو بن عبسہ قدیم الاسلام ہیں بعض روایات کے مطابق چوتھے نمبر پر مسلمان ہوئے وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ اس دین کے معاملے میں آپ کا موافق کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مومن اور غلام دین کی موافقت کا مامور ہے۔ یا یہ مفہوم ہوگا اس معاملے میں میرے ساتھ ابوبکر اور زید ہیں یا ابوبکر اور بلال ہیں جس طرح صحیح مسلم میں ہے کہ اس وقت آپ کے ساتھ ابوبکر اور بلال تھے اور علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے شمار نہیں کیا کہ وہ چھوٹے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پردے میں تھیں۔

میں نے عرض کیا اسلام کیا ہے؟ یعنی مسلمان ہونے کی علامت اور اسلام کی شاخیں اور اس کا کمال کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا کلام اور کھانا کھلانا'' ان الفاظ گرامی میں اخلاق حسنہ اور لوگوں سے احسان اور خوشی کے اظہار پر ترغیب دی گئی ہے۔

میں نے پوچھا کہ ایمان کا پھل اور نتیجہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مصیبت پر اللہ کی اطاعت اور صبر کرنا اور معصیت سے دور رہنا۔ اسی طرح دنیا سے بے رغبتی اور احسان وکرم کو رگ وپے میں ڈھالنا۔

جب میں نے پوچھا کہ اسلام کے کون سے خصائل بہتر ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں یعنی کسی بھی مسلمان کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے۔

اگلے سوال کے جواب میں اچھے اخلاق کو افضل ایمان قرار دیا کیوں کہ یہ تمام اعلیٰ خصائل اور عمدہ صفات کی جامع صفت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''آپ خلق عظیم پر ہیں۔'' اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ قرآنِ مجید آپ ﷺ کا خلق مبارک تھا یعنی جو بھی قرآن کا حکم تھا آپ اس پر عمل پیرا تھے اور جس سے قرآن نے روکا اس سے آپ رک گئے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں تزکیہ عن الرذائل کے لیے دس پرہیزی اصول ہیں: طعام، کلام، غضب، حسد، بخل، حب المال والجاہ، کبر، عجب، ریاء اور فضائل سے آراستگی کے بھی دس اصول ہیں: توبہ، خوف، زہد، صبر، شکر، اخلاص، توکل، محبت، رضاء بالقضاء، ذکر الموت۔

فہرست

دنیا کی زندگی

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [البقرة:٢١٢]

''کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب صورت دکھائی گئی ہے اور وہ ایمان والوں کا ٹھٹھا اور تمسخر اڑاتے ہیں۔''

دنیوی غلاظتوں سے حفاظت

قتادہ بن النعمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَآ اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ . [الترمذی: ٢٠٣٦۔ صححه الحاكم وافقه الذهبي قال الالباني اسناده صحيح]

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح بچا بچا کر رکھتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی آدمی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔''

جنگ کے وقت کی دعا

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنگ میں یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ . [ابوداؤد: ٢٦٢٣]

''اے اللہ! تو ہی معاون اور مددگار ہے تیری امداد سے میں دشمن کے مکر وفریب سے بچ سکتا ہوں۔ تیری ہی مدد سے میں اس پر حملہ آور ہو سکتا ہوں اور تیری ہی توفیق سے میں اس کے ساتھ جنگ کر سکتا ہوں۔''

آٹے میں نمک

اداریہ حافظ احمد شاکر

صلیبی استعمار یعنی انگریز کو جب خطۂ ہند سے کوچ کرنا پڑا تو اس کے ذہن میں ایک بات جم گئی تھی کہ ہلال وصلیب کی عالمی کشمکش میں اس کے حریف اب بھی مسلمان ہی ہیں کیوں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تشکیل کے بعد مسلمانوں ہی نے انگریز سے آنکھیں چار کرنے کی ابتدا کی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ......جس کو صلیبی غدر کہتے ہیں ...... میں مسلمانوں ہی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے عبور دریائے شور کی سزائیں، وطن میں قید وبند کی صعوبتیں اور انگریز کے ہر ستم کو مردانہ وار برداشت کیا حتی کہ ان گنت مسلمان شوق شہادت میں پھانسی کے پھندے سے جھول گئے۔ علمائے صادق پور، سیدین شہیدین رحمہم اللہ کی بے مثال منظّم تحریک کے علاوہ بنگال، دہلی، پنجاب وسرحد کے علماء کی جان ومال کی قربانیوں کے کارنامے تاریخ میں سنہری کرنوں کے ساتھ چمک رہے ہیں۔ مسلمانانِ ہند کے ساتھ بلاشبہ دیگر اہل ہند ...... ہندو، سکھ وغیرہ ...... نے بھی قربانیاں دی ہیں جو تاریخ میں ثبت اور اپنے مقصد زیور سے آراستہ تاریخ میں روشن ہیں۔

انگریز نے چوں کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے غصب کی تھی اس لیے اس کے ظلم وستم کا نشانہ بھی مسلمانوں ہی کو بننا پڑا اور تاریخ شاہد ہے مسلمانوں ہی نے سینہ تان کر اس کی گولیاں کھائیں، پھانسیاں پائیں اور شہادتوں سے سرفراز ہوئے۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے ہندوستان تو چھوڑ دیا لیکن اس خطے کے مسلمانوں کی جان نہ چھوڑی اس نے چہرے پر مسلمانوں کی ہمدردی کا ماسک تو چڑھا لیا لیکن بغض مسلم سے اس کا کینہ بھرا سینہ کبھی صاف نہ ہوا۔

....

۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے بعد اس نے طریقۂ واردات بدل ڈالا یعنی اس نے مسلمانوں کے دانا دشمن کی پالیسی اپنا لی اور ہم شاید سادہ دلی سے اس کی حسن تکلّم وتبسم کی عادت کو پیار کا انداز سمجھ کر اس پر ریجھتے چلے گئے، اس پہ نچھاور ہوتے گئے یا پھر حکمران طبقہ اس کی ''شخصی عنایات'' سے بہل کر ملی مفادات کو پس پشت ڈالتا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد کے حکمران اس وقت کی دو عالمی طاقتوں میں سے اس کو ترجیح دے کر اس کی جھولی میں گر گئے۔ اس نے بڑی مہارت سے ہمیں امداد کی چوسنی دے دی پھر وہ اپنی من مانیاں منوانے کے لیے چوسنی کے بجائے فیڈر پھر فیڈر کی خوراک وہ اس طرح بڑھاتا گیا کہ ہم نے دل کی ہر بات، دماغ کی ہر سوچ اور سوچ کی ہر لہر سے پھوٹنے والی خواہشات تک سب ہی اس سے کہنی شروع کر دیں اور اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے لیے اب سوچتا...... کرتا تو پہلا بھی تھا...... بھی وہ خود ہے اور ہوتا بھی اسی کے اشارے بلکہ حکم سے وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے کیوں کہ ہر حکمران اپنی اوقات خوب جانتا ہے اور اگر کبھی کوئی حکمران اپنی اوقات بھول جائے تو اس کو یاد دلانا بھی اسے خوب آتا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء سے اب تک صلیبی اپنے ہدف اور مشن سے قطعاً غافل نہیں رہے۔ وہ اپنی دوررس پالیسیوں کے ساتھ اپنی معاشرت، فکر اور آسائش وآرائش ہم میں حلول کرتے رہے۔ ہاں البتہ برصغیر کے مسلمان صلیب کے بغض مسلم سے غافل ہو کر اس کی چکا چوند پالیسیوں کے بھرے میں پھنستے اور دھنستے رہے۔ حتی کہ ۱۹۷۱ء میں اس کی سفاکانہ واردات ''جس میں اس نے ہمارا بازو الگ کر دیا تھا'' کا بھی ہم پورا ادراک نہ کر سکے اور ہم اس کے بیڑے کا انتظار کرتے کرتے ...... خاکم بدہن...... اپنا بیڑا ہی غرق کر بیٹھے۔

....

ہوگا تو یقیناً یہ اس کی پالیسیوں کے عین مطابق لیکن سجھائی یہ دیتا ہے کہ اس نے ۹/۱۱ کے بعد مسلمانوں کی عداوت کا کینوس وسیع کر لیا یعنی اس نے مسلم امہ کو ہلال وصلیب کی جنگ کا پیغام دے دیا لیکن اس جنگ میں بھی اس نے نشانے پر انہی علاقوں کو رکھا جو ہمیشہ سے اس کی غلامی کا انکار کرتے رہے۔ یعنی افغانستان اور اس سے ملحقہ پاکستان کے سرحدی علاقے۔ چناں چہ اسامہ نامی ہیولیٰ اور القاعدہ نامی تخیلاتی تنظیم چاہے دنیا کے کسی خطہ میں ہو

وہ ان کو پاکستان اوراس سے ملحقہ علاقوں میں ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتا رہا بلکہ اب تک کر رہا ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی اور مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اس کو ہر ملک، علاقے اور آبادی میں میر جعفر وصادق، سردار، مخدوم، وڈیرے اور جرنیل مل جاتے رہے جواس کی مسلم کش پالیسی کو بہ صد غرور وانبساط سرانجام دیتے رہے۔ آہ ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

....

دل کے یہ پھپھولے، سینے کے داغ اور حکایت خونچکاں نوک قلم پر اس لیے رواں ہوگئی کہ یکم مئی ۲۰۰۸ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں ''ایوانِ علم وادب'' پاکستان کے زیر انتظام سیمینار نما ایک اجتماع ہوا جس کے کرتا دھرتا 'الاعتصام کے قدیم محبّ، دارالدعوۃ السّلفیہ کے قدر دان اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے نیاز مند' پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ (کندھ کوٹ سندھ) تھے۔ برادر گرامی مسلم امہ کے لیے دل دردمند رکھنے والے اور دینی اقدار کے پاسدار اہل علم وقلم سے دائماً رابطہ استوار رکھتے ہیں۔ انھوں نے مہینوں اہل علم وقلم سے بہ نفس نفیس رابطہ کیا اور سب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ دین کے غلبہ، اسلام کے نفاذ کے خواہش منداصحابِ علم وقلم کس طرح ایک پلیٹ فارم پہ اکٹھے ہو کر طاغوت کا مقابلہ بھی کریں اور طاغوت کی چالوں سے اپنے اپنے حلقے کو باخبر بھی رکھیں اور جس حد تک ممکن ہو مشترکہ حکمت عملی سے کفر کی سازشوں کو بے نقاب بھی کریں۔ یہ اجتماع توقع سے زیادہ کامیاب رہا مختلف اصحاب علم وقلم اپنی آراء وتجاویز سے سامعین کی راہ نمائی کرتے رہے۔

اس سیمینار میں حاضر ہو کر اہل علم واصحاب قلم کے خیالات سے ہم بھی مستفید ہوئے لیکن اجلاس طویل ہوجانے کے باعث ہم مکمل استفادہ نہ کرسکے اور واپس چلے آئے۔ اب خیال ہوا کہ آٹے میں نمک ڈال کر ہم بھی شریک ثواب ہوجائیں۔ درج ذیل چند تجاویز پیش کی جارہی ہیں:

(مذکورہ بالا وضاحت اس لیے کردی کہ ہمارے آنے تک ان تجاویز میں سے کوئی تجویز نہیں آئی تھی بعد کے علماء نے یقیناً اس سے بہتر تجاویز وآراء کا اظہار فرمایا ہوگا اس لیے اگر کوئی تکرار ہو تو یہ محض توارد ہوگا یا پھر اس کو ہم دردی اور ہم فکری ہونا بھی کہا جاسکتا ہے۔)

ہمارے خیال میں:

①......اس اجتماع کے شرکائے کرام یعنی اسلامی ذہن وفکر کے اصحاب علم وقلم اپنے قارئین کو صلیب وہلال کی کشمکش سے مطلع کریں یعنی مختلف اصحاب علم وقلم اس موضوع پر مستقل سلسلہ وار مضامین شروع کر کے نئی نسل کو صلیبی ذہن، اس کی دسیسہ کاریوں، اس کے طریقہ ہائے واردات اور صلیبی مقاصد سے آگاہ کریں، عیسائیوں کی یہ انتہا پسندی کہ انھیں دنیا میں عیسائیت کے سوا کوئی دین ایک آنکھ نہیں بھاتا اس کو علمی وتحقیقی طور پر ثابت اور عیاں کریں، نیز اُن کی دوہری پالیسی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو کوئی گستاخی برداشت نہ کریں (جب کہ اسلام کسی بھی نبی کی گستاخی کو توہین رسالت قرار دیتا ہے۔) لیکن جو بدبخت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب ہو یا کوئی مسلمان اسلامی حدود کو پامال کرنے کا ارتکاب کرے وہ اس کو انسانی حقوق کے نام پر ہمیشہ پناہ دیتا ہے۔ ہمارے اصحاب دانش اپنے اپنے رسائل وجرائد میں اس موضوع کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کریں۔

②......عیسائیوں کی رسومات اور اُن کی معاشرتی نقالی (ان کی بودوباش اور ان کی طرح دن منانے) کی بجائے ان کے علم وہنر، تحقیق، فنی وصنعتی مہارت، ان کی اپنے دین اور وطن سے محبت ووفاداری اور ان کے جذبۂ خدمت خلق کی نقالی کریں۔

③......تمام اصحابِ قلم اپنے حکم رانوں کو قرآن حکیم کی اس نص صریح (اللہ تعالیٰ کے واضح حکم) سے برابر آگاہ کرتے رہیں کہ ''یہود ونصاریٰ کو نہ دوست بناؤ اور نہ رازداں'' کی طرف بار بار توجہ دلا کر اپنا فرض ادا کریں۔

④......مسلم امہ یعنی ممالک اسلامیہ کے حکم ران انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسی جدید طاغوتی اصطلاحات کی متفقہ تعریف کر کے اس کا اعلان کریں۔

⑤......تمام ممالک اسلامیہ مسلم ممالک کو ترقیاتی فنڈ دینے کی بجائے ایک ایسا فنڈ قائم کریں جس سے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کے عوام تک عموماً اور مسلم امہ کے غریب عوام تک خصوصاً ان کی ضروریات زندگی (خوراک، لباس اور ادویات) پہنچ سکیں۔

⑥......اختلاف فکر ونظر کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں میں اسلام کے ممتاز عقیدہ یعنی عقیدۂ توحید اور اتباع سنت کا جذبہ پیدا کریں اور فروعی مسائل کو ہوا دے کر جدل ومناظرہ، فرقہ بندی اور باہمی کشمکش کی حوصلہ شکنی کریں تاکہ امت ممکن حد تک وحدت کی شاہراہ پر چلتی رہے۔

نشے والے اور مجنون کی طلاق اور ایک مجلس میں تین طلاقوں کا حکم

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ خان مدنی صاحب

سوال : میرے چچازاد بھائی نے ایک ہی مقام پر ایک زبان سے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی۔ بلکہ دو تین دن بعد لکھ کر دے دی اور کئی دن بعد ایک مجلس میں احمد اللہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں؟ اس نے کہا: ہاں جی۔ پھر کئی دن بعد ایک اور مجلس میں اس سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں، اس نے کہا ہاں بھئی، اب چار ماہ گزر گئے ہیں۔ دونوں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ ارشاد فرمائیں، ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔ [عبداللہ]

جواب : مندرجہ بالا صورت میں راجح مسلک کے مطابق طلاق رجعی ہوئی ہے۔قرآنِ مجید میں ہے: الطلاق مرتان

یہ بھی یاد رہے مجلس کے اختلاف کی بنا پر طلاق دوسری دفعہ ہوگی۔ چناں چہ مسند احمد اور ابویعلی ابن عباس سے مروی ہے کہ رکانہ بن عبد یزید اخو بنی مطلب نے مجلس واحد میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس پر وہ سخت غمگین ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے کس طرح طلاق دی؟ اس نے عرض کیا میں نے اس کو تین طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا: ایک مجلس میں اس نے کہا، ہاں ایک مجلس میں۔ آپؐ نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ یہ ایک ہے اگر تو چاہے تو اس سے رجوع کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں یہ حدیث مسئلہ ہذا میں نص ہے اس میں تاویل کی گنجائش نہیں جو دیگر روایات میں ہے۔

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

وقد صحح الامام هذا الاسناد وحسنه ۔

بعد میں شوہر نے سابقہ طلاقوں کا اعتراف کیا ہے وہ طلاق نہیں۔ لہٰذا شوہر اس عورت سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ کیوں کہ علیحدگی طلاق رجعی کی صورت میں ہوئی ہے۔

سوال : میں نے اپنی بیوی کو چار مرتبہ طلاق دی ہے اور یہ چاروں مرتبہ طلاق میری بیوی نے مجھے کہا ہے یا ان لوگوں نے جو اس وقت موجود تھے، جب میں نے طلاق کے الفاظ کہے اس وقت میرا دل اور دماغ میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے اور یہ طلاق عرصہ بارہ (۱۲) سال کے اندر دی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ میں مرگی کی تکلیف میں تیس سال سے مبتلا ہوں اور مرگی کی ایک دوا ہے جس کے استعمال سے میرا دل اور دماغ میرا ساتھ نہیں دیتے اور اتنی نشہ والی دوا ہے کہ اس کے استعمال سے دورہ نہیں پڑتا۔ مجھے یہ دوا استعمال کرکے ایسی حالت پیدا ہوجاتی ہے کہ ہوش نہیں رہتا اور غصہ کی حالت میں ایسی کیفیت ہوجاتی ہے۔ چھت سے چھلانگ بھی لگا دی اور مجھے کچھ علم نہیں ہوا۔ میری زندگی میں ایسے بہت سارے واقعات گزر چکے ہیں۔ لہٰذا قرآن اور سنت ایسی حالت میں کیا حکم دیتے ہیں؟

جواب : صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ليس لمجنون ولا لسكران طلاق

''دیوانے اور نشہ والے کی طلاق کا اعتبار نہیں۔''

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

طلاق السكران والمستكره ليس بجائز ۔

یعنی نشہ والے اور مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ قصہ علی اور حمزہ

جس میں یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں حمزہ رضی اللہ عنہ نے نازیبا کلمات کہے اس پر حافظ ابن حجر رقم طراز ہیں:

وهو من اقوى ادلة من لم يؤاخذ السكران بما يقع منه في حال سكره من طلاق وغيره ۔

[فتح الباری: ۹/ ۳۹۱]

''یہ قصہ سب سے مضبوط دلائل سے ہے جس نے کہا کہ حالت سکر میں طلاق وغیرہ نہیں ہوتی۔''

لہٰذا مندرجہ بالا صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

سوال: ایک آدمی نے پہلی مرتبہ اپنی بیوی کو اشٹامپ پیپر پر ''تمھیں طلاق دی، تمھیں طلاق دی، تمھیں طلاق دی، اب تم مجھ پر حرام ہو وغیرہ وغیرہ'' لکھ کر بھیج دیا۔ بیوی اس وقت تقریباً سات ماہ کی حاملہ تھی۔ اس کے بعد کچھ ہی دونوں میں علیحدگی ہوگئی تھی۔ اب تقریباً ایک سال دو ماہ بعد دونوں فریق آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں (بچہ بھی پیدا ہو چکا ہے۔) ایسی صورت میں قرآن وسنت کا کیا حکم ہے؟ [شاہد حنیف]

جواب: راجح مسلک کے مطابق مندرجہ بالا صورت میں طلاق رجعی واقع ہوئی ہے۔ چناں چہ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

عن ابن عباس رض قال كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة ...... الحديث

یعنی ''ایک مجلس کی تین طلاقیں عہد نبوی وخلافت صدیقی اور دو سال خلافت فاروقی میں ایک طلاق شمار ہوتی تھی۔''

اور حالت حمل میں دی ہوئی طلاق بھی سنی شمار ہوتی ہے۔ حدیث ابن عمر میں ہے:

ثم ليطلقها طاهرا او حاملا ۔ [فتح الباری: ۹/ ۳۵۰]

''اور وضع حمل کی صورت میں اس کی عدت مکمل ہوگئی۔''

شوہر سے علیحدگی چوں کہ طلاق رجعی کی صورت میں ہوئی ہے اس بنا پر عورت اگر اپنے سابقہ خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

اس نکاح کا طریقہ کار بھی وہی ہے جو عام حالات میں ہے۔ نکاح باجازت ولی ہونا، حق مہر کا تقرر ہونا حسب حیثیت، گواہوں کا مقرر کرنا وغیرہ وغیرہ۔



لٹریچر کی تقسیم

جامعۃ الفاروق الاسلامیہ (رجسٹرڈ) رحیم یار خان کے شعبہ دعوت وتبلیغ کی طرف سے مختلف لٹریچر (۱) نماز کے تین اہم مسائل، (۲) نماز پڑھیے اور باجماعت پڑھیے (حصہ اول، دوم)، (۳) اہمیت نماز، پیغام حق کو عام کرنے کی غرض سے زیر تقسیم ہیں۔ خواہش مند حضرات جوابی لفافہ بھیج کر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

[حاجی محمد اصغر، رئیس جامعۃ الفاروق الاسلامیہ (رجسٹرڈ)
پوسٹ بکس نمبر ۵، رحیم یار خان]

حضرت مولانا ابوبکر صدیق السّلفی کے لیے

دعائے صحت

دارالدعوۃ السّلفیہ، شیش محل روڈ لاہور کے صدر جناب مولانا ابوبکر صدیق السّلفی حفظہ اللہ بعارضہ قلب علیل ہیں۔ گزشتہ دنوں گنگارام ہسپتال میں ڈیڑھ ہفتہ زیر علاج رہے۔ کچھ افاقہ ہونے پر گھر منتقل ہو چکے ہیں۔ اب میو ہسپتال کے ڈاکٹرز کا علاج جاری ہے۔ ابھی پوری طرح صحت یابی نہیں ہوئی۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ موصوف کی صحت کاملہ وعاجلہ ونافعہ کے لیے خصوصی دعائے صحت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ جزاکم اللہ خیراً

[ادارہ دارالدعوۃ السّلفیہ، ۳۱۔ شیش محل روڈ۔ لاہور]

فہم قرآن کی طرف ایک قدم

مولانا عبداللہ سرور

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز سے بعض اہل علم عام لوگوں کو قرآنی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد کررہے ہیں۔ جگہ جگہ فہم قرآن کے لیے آسان کورس ہورہے ہیں۔ قرآنی کلمات کو مختلف رنگوں میں طبع کرکے اسم، فعل اور حرف کی پہچان کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اللہ ربّ العزت ان مساعی کو قبولیت سے نوازے، آمین۔ لیکن ہمیں یہ بھی بھولنا نہیں چاہیے کہ قرآنِ کریم کو تو اللہ ربّ العزت نے ہی بہت آسان کردیا ہے۔

﴿ وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴾

[القمر: ۱۷]

''بے شک ہم نے قرآنِ کریم کو ذکر ونصیحت کے لیے آسان کردیا ہے۔ کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔''

چناں چہ جس کلام کو اللہ ربّ العزت نے آسان کردیا ہو اسے کوئی دوسرا مزید کیا آسان کرے گا۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اللہ ربّ العزت کی کلام کو خلوصِ دل سے سمجھنے کی کوشش کریں اور وہ بنیادی صلاحیت ضرور حاصل کریں جس کی بدولت ہم عربی زبان کے رمز شناس بن سکیں۔ پھر اللہ ربّ العزت کی مدد بھی ہمارے شامل حال ہوگی۔ چناں چہ قرآنِ کریم کے معانی اور مفہوم بے پناہ وسیع ہونے کے باوجود نہایت ہی آسان محسوس ہوں گے۔

اللہ ربّ العزت نے بہت ساری آیات میں قرآنِ حکیم کو کتاب کا نام بھی دیا ہے اس لیے عربی زبان کی شدھ بدھ کے بعد ہمیں سب سے پہلے قرآنِ کریم کو ایک ایسی کتاب سمجھنا ہوگا جو ایک کتاب کے ناطے سے ہر قسم کی بہترین کتابی خوبیوں سے بھری پڑی ہے۔ نیز ہر مصنف اور مؤلف کے لیے بہترین راہ نما بھی ہے۔

قرآنِ کریم میں ''براعۃ استہلال'' بھی ہے۔ ''لف نشر مرتب'' اور ''لف نشر غیر مرتب'' دونوں موجود ہیں۔

یاد رہے ''براعۃ استہلال'' ان امور سے عبارت ہے جن کو آئندہ کتاب میں ذکر کیا جاتا ہے اور ''براعۃ استہلال'' میں مذکورہ امور کو ترتیب سے واضح کرنا ''لف نشر مرتب'' کہلاتا ہے۔ جب کہ ترتیب کے بغیر بیان کرنے کو ''لف نشر غیر مرتب'' کہتے ہیں۔ براعۃ استہلال اور لف نشر مرتب کو ایک مقدمے (سورۃ فاتحہ) میں جمع کردیا گیا ہے۔

براعۃ استہلال ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی شکل میں موجود ہے جس کی وضاحت ترتیب سے سورہ فاتحہ میں کردی گئی ہے۔

اللہ سے مراد ربّ العالمین ہے۔ چوں کہ اس نے پوری کائنات کو وجود بخشا ہے۔ زمین وآسمان، بحر وبر، فضا اور ان سے متعلقہ مخلوق اور لیل ونہار سب کا خالق اللہ ربّ العزت ہے۔ ''الرحمان'' کا مفہوم الرحمان الرحیم کہہ کر ادا کیا گیا ہے۔ پھر ان دونوں صفات کو قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر استعمال کرکے ان کے مفہوم کو خوب واضح فرمایا ہے۔ جیسے:

﴿ اَلرَّحۡمٰنُ o عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ o خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ o ﴾

[الرحمٰن: ۱-۳]

''الرحمان، اس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا فرمایا۔''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ۚ لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴾ [النباء: ۳۸]

''اس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور رحمان سے اجازت پانے والے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرے

گا،اور وہ (اجازت پانے والا) سچ بولے گا۔''

اس طرح کی تمام آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ''رحمان'' کا مفہوم ''بغیر کسی سبب کے از خود رحم کرنے والا ہے۔'' اسی طرح ''رحیم'' کے استعمال کو دیکھیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ربّ العزت نے اس صفت کو عموماً ثانوی حیثیت سے استعمال فرمایا ہے۔ جیسے الرحمان الرحیم، غفور رحیم، تواب رحیم، رؤف رحیم، عزیز رحیم وغیرہا۔

جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''رحیم'' کی رحمت کسی سبب سے شامل حال ہوتی ہے۔ مثلاً ہم اپنی غلطیوں سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما کر اپنی رحمت سے بھی نوازتا ہے۔ اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں تو مغفرت کے ساتھ رحمت سے بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔

ایک دو آیاتِ مبارکہ میں اس صفت کو اوّلیت بھی دی گئی ہے جیسے

﴿ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴾ [ھود: ۹۰]

''تم اپنے ربّ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو (توبہ کرو) بے شک میرا رب خوب رحم کرنے والا خوب محبت کرنے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ رحیم کی رحمت سے مستفید ہونے کے لیے اسباب کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں ''رحیم'' کی وضاحت ﴿ مالک یوم الدین ﴾ سے فرمائی گئی ہے۔ اس دن جس کے پاس نجات کے اسباب ہوں گے اللہ ربّ العزت کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوگی۔ اور جو نجات کے اسباب سے تہی دامن ہوگا وہ رحمت الٰہی سے محروم ہوگا۔ نیز اس ترتیب سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ ربّ العزت دنیا میں پہلے ''رحمان'' ہے۔ وہ از خود سب کی تخلیق فرماتا ہے اور ہر قسم کی مخلوق کو اس کی ضرورت کے مطابق لوازمات سے نوازتا ہے۔ اسباب معیشت مہیا کرتا ہے پھر وہ اپنی اپنی کارکردگی کے مطابق رحیم کی رحمت سے بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور آخرت میں الہ ربّ العزت پہلے نجات کے اسباب کی موجودگی اور عدم موجودگی کی بنا پر بدلہ دے گا پھر کامیاب وکامران ہونے والوں پر از خود اپنے کبھی نہ ختم ہونے والے انعامات کرے گا۔ جیسے کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾ [یونس:۲۶]

''احسان کرنے والوں کے لیے حسنیٰ اور زیادہ ہے۔''

مزید برآں ان آیاتِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ربّ العزت کی رحمت میں تنوع (*Variety*) کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔ متنبّی نے کیا خوب کہا ہے ۔

سبقنا إلى الدنيا ولو عاش اهلها
لمنعنا من جيئة وذهاب

''ہم سے پہلے بھی لوگ دنیا میں آئے اور اگر وہ زندہ رہتے تو ہماری آمد ورفت ناممکن ہوجاتی۔''

یعنی موت وحیات دونوں میں اللہ ربّ العزت کی رحمت کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ حالاں کہ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔

اللہ ربّ العزت کے ان تین اوصاف (رب العالمین، کائنات کا خالق ہونا، اس میں تصرف کرنا، اور قیامت برپا کرکے اعمال کی جزاوسزا دینے پر قدرت رکھنا) کی حقیقت کو پہچان لینے کے بعد جب گرد وپیش کے حالات اور واقعات انھی اوصاف کے مطابق نظر آتے ہیں تو بے ساختہ اس راستے کی طلب ایک تڑپ کی صورت میں ابھرتی ہے اور انسان اپنے خالق ومالک کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور تہ دل سے دعا کرتا ہے:

''یا اللہ! ہمیں اس سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما، جس راستے کو اختیار کرنے والے تیرے انعامات کے مستحق بن گئے۔ تیرے غضب سے بھی محفوظ رہے اور نہ راہِ راست سے بھٹکے ہی۔ تاکہ ابدی رسوائی سے محفوظ رہ سکیں، آمین۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اقسام بھی بیان فرمادی ہیں:

① ...... جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، وہ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب سے بھی محفوظ رہے نہ ہی وہ سیدھے راستے سے بھٹکے جیسے: متقین، محسنین، اہل ایمان۔

② ...... جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام نہیں کیا، جیسے: کافر۔

③ ...... جن پر انعام ہوا لیکن وہ راہِ راست سے بھٹک گئے اور

اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا شکار ہوئے جیسے: یہود ونصاریٰ۔

غرض یہ کہ اللہ ربّ العزت نے اس سورۃ مبارکہ میں براعۃ استہلال (بسملۃ) کی قدرے وضاحت فرمادی ہے۔ اسی وجہ سے اس سورۃ کو فاتحہ کا نام دیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس میں بسملۃ کے کلمات کا مفہوم ترتیب سے کھولا گیا ہے۔

انہی تین اوصاف کی مناسبت سے پورا قرآنِ کریم تین ابواب پر مشتمل نظر آتا ہے۔

پہلا باب: جو کہ سورۃ بقرۃ سے سورۃ الاعراف تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں اللہ ربّ العزت کی الوہیت ربّ العالمین ہونے کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے اور زمین پر آباد قوموں نے اللہ ربّ العزت کے علاوہ جن کو الوہیت کا درجہ دیا ان کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ [البقرة: ٦٢]

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، وہ لوگ جو یہودی، نصاریٰ (عیسائی) اور صابی ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لایا اور صالح اعمال پر کاربند رہا، ان کا اجر ان کے ربّ کے پاس ہے۔ ان پر نہ تو خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔''

اس آیت مبارکہ میں نزولِ قرآن کے وقت موجود انسانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

① ...... رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ مجید پر ایمان لانے والے اہل ایمان۔

② ...... یہودی، تورات کے پیروکار۔

③ ...... نصرانی، انجیل کے علمبردار (عیسائی)

④ ...... صابی، وہ لوگ جو کسی بھی آسمانی مذہب کے پیروکار نہ تھے۔

ان سب میں یہودی سب سے قدیم کتاب کے پیروکار تھے۔ ان کو بنی اسرائیل بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو تورات دے کر ان کے پاس بھیجا تھا وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اس قوم کو اللہ ربّ العزت نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون اور اس کی قوم کے مظالم سے نجات دی تو ان لوگوں نے اللہ ربّ العزت کا شکر ادا کرنے کی بجائے ایک بے جان خود ساختہ بچھڑے (عجل) کو معبود بنا لیا۔ اللہ ربّ العزت نے سب سے پہلے ان کے زعم باطل کی تردید فرمائی اور بے جان بچھڑے کی جگہ ہو بہو اس جیسی ایک جاندار گائے (بقرۃ) ان کے ہاتھوں ذبح کرائی۔ تاکہ ان میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ زندہ گائے خود اپنی موت وحیات اور نفع ونقصان کی مالک نہیں تو ایک بے جان بچھڑے میں معبود بننے کی صلاحیت کیسے ہو سکتی ہے۔

یاد رہے کہ اللہ ربّ العزت نے قرآنِ کریم میں ''عجل'' کا لفظ ذبح شدہ بے جان بچھڑے کے لیے استعمال فرمایا ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

﴿ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴾ [هود: ٦٩]

''وہ جلد ہی بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔''

﴿ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴾ [الذاريات: ٢٦]

''وہ موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔''

اسی مناسبت سے سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرۃ کو رکھا گیا۔ لیکن اس سے پہلے اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب اور اس میں موجود واقعات کے بارے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات کو زائل کر کے یہ یاد دھانی ضروری سمجھی کہ یہ کتاب ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اس کے بعد اس کتاب پر ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں کے طرزِ عمل کو بیان فرمایا۔ اپنے معبود ہونے کے بارے میں آفاقی دلائل بیان فرمائے۔ ان سب باتوں کو تسلیم کرنے والوں اور نہ تسلیم کرنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ فرمایا۔ زمین پر انسانی آبادی کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے انھیں یہ احساس بھی دلایا کہ ان کی محدود معیشت زمین سے وابستہ ہے۔

غرض یہ کہ اللہ ربّ العزت نے وہی امور جن کو سورۃ فاتحہ میں ترتیب سے مختصر طور پر بیان فرمایا تھا سورۃ بقرۃ کے شروع میں دوبارہ

ترتیب کے بغیر قدرے تفصیل سے ذکر فرما دیا۔ تاکہ قاری اصل مقصد سے ہٹنے نہ پائے۔

ایک بات بڑی حیران کن ہے کہ آیت ﴿اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً [البقرۃ:۳۰]﴾ کا بیشتر اہل علم یوں ترجمہ کرتے ہیں:

''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

اور پھر خلیفہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

جب کہ فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ وہ زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ اس لحاظ سے اہل علم کا ایک خلیفہ اور وہ بھی آدم علیہ السلام مراد لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ایک انسان اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ کیا فساد کرے گا اور کس کا خون بہائے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ خلیفہ سے مراد پوری انسانیت مراد لی جائے جو یکے بعد دیگرے خلیفہ بنتے ہیں۔ اس کی وضاحت اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

﴿وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ﴾ [الانعام:۱۶۵]

''اس نے تمھیں زمین میں خلیفے بنایا۔''

اور فرشتوں کی بات حضرت انسان کو یہ یاددہانی یاد کرائی ہے کہ اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کی برائیاں فرشتوں کی نظر میں بھی ہیں اور وہ اس قسم کی برائیوں کو کس قدر ناپسند فرماتے ہیں۔ اس لیے فرشتوں کے قول کا مصداق بننے سے قطعی طور پر گریز کرنا چاہیے تاکہ اللہ ربّ العزت کے اس قول کا مصداق بن جائیں کہ میں انسان کو تم (فرشتوں) سے زیادہ جانتا ہوں۔

اس طرح اکثر اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ فرشتوں نے انسان سے پہلے پیدا ہونے والے جنات کی کارکردگی کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ انسان زمین میں فساد پھیلائے گا اور قتل وغارت کرے گا۔ حالاں کہ فرشتے تو اس بات کی دہائی دے رہے ہیں۔

﴿لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا﴾ [البقرۃ:۳۲]

''ہمارا علم ان معلومات تک محدود ہے جو آپ نے ہمیں بتا دی ہیں۔''

نیز اللہ ربّ العزت نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے صرف ایک جن (ابلیس) کو پیدا فرمایا تھا۔ جیسے کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

﴿وَ الۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ﴾

''ہم نے (انسان سے) پہلے جن جھلسانے والی آگ سے پیدا کیا۔'' [الحجر:۲۷]

اسی طرح سورۃ بقرۃ کے نام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس سورت مبارکہ میں چوں کہ گائے کا ذکر ہے اس لیے اسے ''بقرۃ'' کا نام دیا گیا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ گائے کا ذکر تو سورۃ انعام میں بھی ہے تو جواب ملتا ہے کہ بقرۃ کا ذکر سورۃ بقرۃ میں ایک منفرد واقعہ کی شکل میں کیا گیا ہے اور سورۃ انعام میں ایسا نہیں ہے۔ حالاں کہ سورۃ بقرۃ میں بے شمار واقعات اس انداز سے مذکور ہیں تو ان میں ہر ایک سورت کا عنوان بنایا جاسکتا ہے۔ اس لیے نام کی کوئی معقول وجہ بیان کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ اس نام کی اہمیت واضح ہوسکے۔

ان آیات میں حضرت انسان کو یہ بھی باور کرا دیا گیا ہے کہ اگر وہ اللہ ربّ العزت کا اطاعت گزار بندہ بن جائے گا تو اسے اللہ ربّ العزت اور اس کے لاتعداد فرشتوں کی رفاقت حاصل ہوگی۔ ورنہ شیطان دشمنی تمہارا مقدر بن جائے گی اور ذلیل وخوار ہونے سے بچنا محال ہوگا۔

اس مختصر سے پس منظر کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر چھیڑا گیا ہے۔ خیال رہے کہ اہل علم اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے اور انھی کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ حالاں کہ قرآنِ کریم میں بنی اسرائیل صرف موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے بولا گیا ہے۔ جب کہ یعقوب علیہ السلام کی اپنی ذاتی اولاد کے لیے بنی اسرائیل نہیں بولا گیا۔ حالاں کہ وہ بنی اسرائیل کہلانے کے زیادہ حق دار تھے۔ شاید مزید تحقیق اور جستجو سے اس سلسلے میں کوئی راہ نمائی مل جائے۔

اللہ ربّ العزت نے بنی اسرائیل پر اپنے انعامات اور ان کی نافرمانی کی ایک طویل داستان بیان فرمائی ہے۔ انھوں نے اللہ ربّ

العزت کو چھوڑ کر ایک خودساختہ بے روح بچھڑے کو اپنا معبود بنایا۔ اللہ ربّ العزت نے انھیں حکم دیا کہ وہ ایک جاندار گائے ذبح کریں۔ اس گائے کے اوصاف اللہ ربّ العزت نے وہی بیان فرمائے ہیں جو ان کے خودساختہ بے روح بچھڑے میں پائے جاتے تھے۔ انھیں چاروناچار ویسی گائے ذبح کرنی پڑی مقصد واضح تھا انھیں یہ احساس ہوجائے کہ ہمارے معبود جیسی ایک جاندار گائے اپنے آپ کو ذبح ہونے سے نہیں بچا سکی تو ایک بے جان گائے کس قدر معبود ہوسکتی ہے۔ بلکہ معبود تو وہ ہے جس نے گائے کو پیدا فرمایا اور جب چاہا ذبیحہ بنا دیا۔ اور ایک مردے کو زندہ کر کے یہ ثابت کردیا کہ موت اور زندگی تو میرے ہاتھ میں ہے۔ تم خودساختہ چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ نیز مرنے کے بعد والی زندگی کا تصور بھی ان پر واضح فرما دیا۔ انعامات کی یاد دہانی سے انھیں اس بات پر آمادہ کرنا مقصود تھا کہ وہ محمد ﷺ اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائیں۔ اور علم ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ کریم کے اوّلیں منکر نہ بنیں۔ لیکن حسد، ہٹ دھرمی اور ضد نے انھیں کہیں کا نہ چھوڑا۔

وہ تو اپنی قوم کے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے سے باز نہ رہ سکے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی انھوں نے جو سلوک روا رکھا۔ قرآنِ کریم میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔ انھوں نے محمد ﷺ کی خوب جی بھر کر مخالفت کی انھیں اور ان کے ساتھیوں کو دینِ حنیف سے برگشتہ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ حتیٰ کہ وہ جبرئیل علیہ السلام کے بھی دشمن بن گئے۔ کیوں کہ اب جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل کے ایک سپوت محمد ﷺ کے پاس آتے تھے۔ بنی اسرائیل نے دیگر قباحتوں کے ساتھ ساتھ اپنے انبیاء کی تعلیمات کو چھوڑ کر شیطانوں سے جادو سیکھنا اور اس کو عمل میں لانا شروع کر رکھا تھا۔

چناں چہ اللہ ربّ العزت نے بنی اسرائیل پر واضح فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کو ان کی نااہلی کی بنا پر نبوت سے محروم کر رکھا ہے اور محمد ﷺ کو اس منصب پر سرفراز فرمایا ہے۔ جیسے اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے۔

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

[البقرة:١٠٦]

’’ہم کوئی (نشانی) منسوخ کردیں یا اسے بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت (نشانی) لے آتے ہیں۔ کیا آپ کو علم نہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

نیز امت محمدیہ کے لیے بھی پیغام ہے کہ اللہ ربّ العزت نافرمانوں سے اپنے انعامات چھین لیتا ہے۔ تحویل قبلہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا پس منظر بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ہر ابتلا اور آزمائش میں کامیابی اور ان کی دعاؤں کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ بنی اسرائیل پر انعامات بھی انھی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اور محمد ﷺ کی بعثت بھی ان کی خاص دعا کی بدولت ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی امت کو امت وسط اور شہداء قرار دیا گیا۔ امت محمدیہ کی آزمائش اور ان کی ذمے داریوں کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے اور اصل مقصود بھی یہی ہے۔

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ [البقرة: ١٥٥،١٥٦]

’’ہم تمھیں خوف، بھوک اور مال، افرادی (جسمانی) اور پھلوں کی کمی سے دوچار کر کے آزمائیں گے۔ صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو جو مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹنے والے ہیں۔‘‘

طیبات سے مستفید ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ غرضیکہ امت محمدیہ کو تمام قول، بدنی، مالی عبادات اور معاشرتی

معاملات جیسے شادی بیاہ، خرید وفروخت، قرض وغیرہ اور ان کے متعلقات سے آگاہ فرمایا۔ ساتھ ساتھ ان تمام حرکتوں سے بچنے کا حکم دیا جن میں بنی اسرائیل ملوث تھے۔

آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ زمین وآسمان اور ان میں موجود ہر چیز درحقیقت میری ملکیت ہے۔ تم کسی چیز کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ وہ جسے چاہے گا مغفرت سے نوازے گا اور جسے چاہے گا عذاب سے دوچار کردے گا۔

رسول اللہ ﷺ اور مومن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ انھیں غور سے سنتے ہیں، اطاعت کرتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر بھی وہ ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

چناں چہ ہر انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ انسان اپنے فرائض کی بجاآوری کے باوجود اللہ تعالیٰ سے رحمت، شفقت اور مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ نیز اپنے دین کی حفاظت کے لیے کافروں کے یہ حیلے اور مکروفریب سے بچنے کے لیے اپنے ربّ کی مدد چاہتے ہیں۔



حافظ عبدالمجید (خطیب بمباں والا) کی وفات

مولانا حافظ عبدالمجید خطیب جامع مسجد طیبہ اہل حدیث بمبانوالہ ضلع سیالکوٹ ۱۲۔ اپریل ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ۱۹۴۷ء کو چونیاں کے علاقے بمقام گندی روف سنگھ میں پیدا ہوئے۔ قاری محمد یوسف اور مولانا حافظ محمد یحییٰ عزیز سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں حافظ عزیز الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا شفیق الرحمٰن لکھوی صاحبان بھی شامل ہیں۔

لاہور میں بھی دین اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں قیام رہا۔ ۱۹۷۲ء میں بمباں والا تحصیل ڈسکہ منتقل ہوگئے تھے۔ وقت موعود آنے پر اچانک حرکت قلب بند ہوئی اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی نماز جنازہ میں کثیر اہل علاقہ وجماعت اہل حدیث کے افراد شریک ہوئے۔ قارئین سے موصوف کی مغفرت کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

[عبدالغفار عربی ٹیچر ڈسکہ]

مولانا محمد رمضان سلفی وفات پا گئے

ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور کے ایڈیٹر، جماعت اہل حدیث پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا محمد رمضان سلفی بعارضہ جگر علالت کے بعد ۱۳۔ مئی ۲۰۰۸ء بروز منگل وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا محمد رمضان سلفی صاحب ایک کہنہ مشق صحافی، خوش بیان خطیب اور مبلغ دین شخصیت تھے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ کے ساتھ بڑی محبت وعقیدت تھی۔ ایک طویل عرصے سے ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث کے اداریے لکھتے چلے آرہے تھے۔ جلو موڑ لاہور میں خطابت کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے تھے۔ اور جماعت اہل حدیث کے ساتھ اپنی وفاداریاں ہمیشہ نبھاتے رہے اور ہر اجلاس میں شریک رہتے تھے۔

ان کی وفات سے ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ جامعہ اہل حدیث لاہور کے مہتمم جناب حافظ عبدالغفار اور جناب حافظ عبدالوہاب روپڑی صاحبان کے لیے مولانا سلفی مرحوم کی جدائی ایک حادثے سے کم نہیں۔

ادارہ الاعتصام اس موقع پر مرحوم کی مغفرت اور ان کی خدمات کی قبولیت کے لیے دعا گو ہے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ ۔ [ادارہ]

دین میں حدیث نبوی کا مقام اور اس کی حفاظت کا معجزانہ انتظام

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر ﷾، اسلام آباد

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، وبعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴾ [الفتح:۲۸]

''وہی عظیم ذات ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ ارسال فرمایا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کردے، گواہی دینے والا اللہ ہی کافی ہے۔''

ابتدائے عہد اسلام میں تو مسلمانوں کو پوری دنیا اور دنیا کے تمام اہل ادیان پر مادی وعسکری غلبہ بھی حاصل تھا۔ جہاں تک اسلام کے غلبہ کا تعلق ہے، تو تاریخ اسلام کے کسی دور میں بھی دنیا کی کوئی طاقت اسلام کی حقانیت وصداقت، اس کی براہین قاطعہ اور بیناتِ واضحہ پر کبھی جزوی طور پر بھی غالب نہیں آسکی۔ اسلام کی دو اساسی دلیلیں ہیں:

الف: قرآنِ کریم

ب: صاحب قرآن، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ

دونوں **معصوم عن الخطاء، مصئون عن التغير اور محفوظ بحفظ الله ورعايته** ہیں، اس لیے مغلوبیت ان کی طبیعت اور مزاج میں شامل ہی نہیں ہے، ان سے ٹکرانے والا اپنا نقصان ہی کرے گا، وہ قطعاً نقصان پذیر یا زوال پذیر نہیں ہیں، اللہ نے فرمایا:

﴿ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ [الاحقاف:۳۲]

''اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول نہیں کرے گا، وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں ہے اور نہ ہی اس کے (اللہ) کے سوا کوئی حمایتی ہوں گے وہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔''

﴿ وَ الَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴾ [سبا:۳۸]

''اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں یہ محنت کرتے ہیں کہ ہمیں ہرادیں، وہ عذاب میں گرفتار رہیں گے۔''

﴿ وَ الَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴾ [الحج:۵۱]

''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں (بزعم خویش) ہمیں عاجز کرنے کے لیے سعی کی، وہ اہل جہنم ہیں۔''

دین کے دوسرے مرجع ودلیل رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ [المائدة:٦٧]

''اے رسول ﷺ! جو وحی تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کی گئی ہے، وہ سب لوگوں کو پہنچا دو، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا، تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔''

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ○ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ○ ﴾ [الحجر: ۹۴، ۹۵]

’’جو حکم تجھے دیا گیا ہے، اسے کھول کر بیان کردو اور مشرکوں سے منہ موڑ لو، ہم مذاق کرنے والوں کے مقابلے میں تجھے کافی ہیں۔‘‘

غلبہ اسلام کے حوالے سے مسلمانوں کو کبھی کسی قسم کی خفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، فرمایا:

﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ﴾ [الانعام:۱۴۹]

’’کہہ دو! دلیل کامل اللہ ہی کے لیے ہے۔‘‘

﴿ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ [بنی اسرائیل: ۸۱]

’’اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہوگیا، یقیناً باطل نابود ہونے کے لیے ہی ہوتا ہے۔‘‘

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط وَ لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴾ [الانبیاء:۱۸]

’’بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر دے مارتے ہیں، تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، تو وہ یکا یک ناپید ہو جاتا ہے، اور جو باتیں تم بناتے ہو، اس میں تمہاری ہی بربادی ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ پر ایمان حجیت حدیث وسنت پر ایمان کو مستلزم ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا لازمی تقاضا اس کی نازل کردہ کتاب قرآنِ کریم پر ایمان ہے، کتاب اللہ پر ایمان کے بغیر اللہ پر ایمان کا کوئی مطلب نہیں، ویسے ہی حدیث رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے بغیر رسول اللہ ﷺ پر ایمان کوئی حیثیت نہیں رکھتا، حدیث وسنت کی حجیت پر ایمان ایک اہم ترین دینی ضرورت ہے، اس کے بغیر محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک ایسا واضح اور دو ٹوک مسئلہ ہے، جس میں کسی بحث وجدل، تنازع اور توقف یا تردید کی گنجائش نہیں ہے، از اوّل تا آخر پوری امت مسلمہ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ نے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے جو خبر دی ہے، اس میں آپ معصوم عن الخطاء ہیں۔ چوں کہ اللہ نے آپ کو صادق قرار دیا ہے، تو اللہ کی اس تصدیق کا لازمی نتیجہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو خبر بھی دی، وہ اس کے عین مطابق ہے، جو عند اللہ ہے۔ لہٰذا اسے قبول کرنا واجب ہے، فرمایا:

﴿ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o ﴾ [النجم:۳،۴]

’’اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتے، وہ صرف وحی ہے، جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ o لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ o ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ o ﴾ [الحاقة: ۴۴-۴۶]

’’اور اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات کہہ دیتے، تو ہم انھیں دائیں طرف سے پکڑ لیتے، پھر ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔‘‘

رسولِ اکرم ﷺ امت کو تمسک بالسنة کا حکم دیتے تھے، اس کی مخالفت سے منع فرماتے اور ڈراتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے جملہ احکام کی تعمیل کرتے۔ آپ ﷺ کے افعال، اقوال اور تقریرات کی متابعت کرتے تھے۔ نزولِ وحی کے زمانے میں فرمان نبوی اور عمل صحابہ کی اللہ کی طرف سے تائید وتقریر وحی منزل کی حیثیت ہی رکھتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ [آلِ عمران:۳۱]

’’کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔‘‘

خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فمن رغب عن سنتي فليس مني - [متفق عليه]

’’جس شخص نے میری سنت سے بے رغبتی اختیار کی، سو وہ مجھ سے نہیں ہے۔‘‘

اللہ نے اپنے رسول پر ایمان کا واضح حکم دیا اور اس کی اطاعت تمام اہل جہاں پر فرض قرار دی۔ کیا اس کا لازمی تقاضا نہیں ہے کہ آپ ﷺ معصوم ہیں اور دین وشریعت کے باب میں جو کچھ بھی

آپ ﷺ کرتے اور کہتے ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے حجت اور دلیل ہے، جس کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ فرمایا:

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ [التغابن:۸]

''سواللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر بھی اور اس نور پر بھی جو ہم نے نازل کیا اور اللہ اس سے خوب خبردار ہے جو عمل تم کرتے ہو۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ [الانفال:۲۰]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی نہ کرو، جب کہ تم سن بھی رہے ہو۔''

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [آلِ عمران:۳۲]

''کہہ دیجیے! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں، تو یقیناً اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصی اللّٰہ ۔ [متفق علیہ]

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

یہ حدیث ایک طرف ایسی شخصیت کا فرمان ہے، جو معصوم عن الخطاء نبی اور رسول ہے۔ نبوت و رسالت کے باب میں جس کی ہر خبر علم الٰہی کے عین مطابق ہوتی ہے۔ دوسری طرف یہ کوئی نئی بات بھی نہیں، بلکہ قرآنِ کریم میں مذکور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا خلاصہ اور ترجمہ ہی ہے، جن کا اوپر ذکر ہوا۔

یہ قرآنِ کریم کی واضح اور صریح نصوص ہیں، ایسی تصریحات قرآنِ کریم میں ان کے علاوہ بھی بے شمار ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کا تقاضا کرتی ہیں، اور آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بحیثیت نبی اور رسول مطاع اور متبوع قرار دیتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک آیت میں بھی یہ شائبہ تک نہیں پایا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کسی خاص زمانے تک محدود تھی، یا اس کا تعلق صرف عہدِ نبوی اور حیاتِ طیبہ سے تھا، یا یہ اطاعت صرف احکامِ قرآن پر مقصود تھی، یا آپ ﷺ کے ارشادات کی کوئی خاص قسم واجب الطاعت تھی۔ کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی، جو آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کے عموم کی تخصیص پر دلالت کرتی ہو۔ اس لیے آپ ﷺ حیاتیتا ہر عہد اور ہر زمانے کے لوگوں کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں ہر طبقے کے لیے واجب الاطاعت والاتباع ہیں۔ حدیث و سنت کی حجیت پر ایمان لائے اور اس پر عمل کیے بغیر مذکورہ آیت اور ان میں وارد احکامِ الٰہی پر ایمان اور عمل کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ جیسے قرآنِ کریم کی یہ آیات بینات اپنے نزول سے لے کر ہمیشہ تک واجب الایمان والعمل ہیں، ویسے ہی رسول اللہ ﷺ کی حدیث و سنت پر عمل کے حکم میں دوام واستمرار ہے۔ جس میں کسی ادنیٰ سی تبدیلی، تنسیخ اور ترمیم کا کسی کو اختیار نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

[الاحزاب:۳۶]

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں، تو اس میں انھیں کوئی اپنا بھی اختیار ہو۔''

جب قرآنِ کریم کے تمام اصول وضوابط، تعلیمات وہدایات، اور اوامر ونواہی میں بالاتفاق دوام وثبات ہے، تو اطاعت رسول اور اتباع سنت نبوی کے قرآنی احکام کو اس سے مستثنیٰ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس کی کوئی معقول دلیل نہیں، جس کا علم وعقل اور منطق کے میزان میں کوئی وزن ہو، بلکہ یہ صرف ایمان کی کمزوری اور سینہ زوری ہے، جسے

چند سرکش انسانوں کی ہواء وہوس نے جنم دیا ہے اور انھوں نے اپنی بے عقلی، نا اہلی اور پراگندہ ذہنیت کے باعث باطنی افکار اور مستشرقین کی اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں معاندانہ تحقیقات کے زیر اثر رسول اللہ ﷺ کی شخصیت، آپ ﷺ کے مقام ومرتبے اور آپ ﷺ کی حدیث وسنت کے بارے میں ایسا تنازع کھڑا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے جس سے امت کی وحدت پر بدترین اثرات مرتب ہوسکیں اور امت اپنے مرکز حقیقی سے کٹ کر پارہ پارہ ہوسکے۔

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ سب کچھ مرکز ملت اور امت کے اجتماعی شعور کے نام پر کیا گیا، لیکن دشمنان دین کی یہ حسرت، حسرت ہی رہے گی۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑسکتی۔ ان شاء اللہ، اللہ کے وعدے سچے اور فیصلے اٹل ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ [الصف:٨،٩]

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے چراغ ہدایت کو پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے، خواہ کافر اسے ناپسند ہی کریں۔ وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے، خواہ مشرک اسے ناپسند ہی کریں۔''

حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اہل قرآن کہلاتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے علم بردار ہیں، قرآنی ہدایت کی نشر واشاعت کو اپنا مشن قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود قرآنِ کریم کی اتنی ساری واضح اور صریح آیات پر ان کی نظر ہی نہیں پڑتی۔ مگر قرآنِ کریم کی درج ذیل تصریحات سے یہ حیرت واستعجاب خود بخود ختم ہوجاتے ہیں:

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾ [الاعراف:١٤٦]

''جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، میں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا، اگر یہ لوگ ہر آیت کو دیکھ لیں۔ تو بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر یہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے نہ اپنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اس راہ کو اختیار کرلیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور وہ ان سے غافل ہیں۔'' [جاری ہے]



لعنت کرنے کی ممانعت

محمد حسین لکھنوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ، اَمَّا بَعْدُ !

قارئین کرام! اچھا اخلاق انسان کی کامیاب زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اچھا اخلاق ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے انسان اپنے دشمن کو بھی شکست دے سکتا ہے۔ اخلاق کے اچھا ہونے میں زبان کا اہم کردار ہے۔ انسان اگر زبان کو اخلاق کے پہلو میں رکھے تو یہ انسان کو اخلاق کے بلند ترین مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔ اس کے ایک ہی جملے میں شہد جیسی مٹھاس ہوتی ہے اور پھر اس مٹھاس میں جادو جیسی تاثیر ہوتی ہے جو مخاطب کے دل میں گھر بنا لیتی ہے۔ اپنی زبان کو کنٹرول میں نہ رکھا جائے جیسے منہ سے آئے بولتے گئے تو اس سے نکلا ہوا ایک ہی جملہ انسان کو آسمان سے زمین پر دے مارتا ہے۔ اس کے جملہ میں ایسا زہر پیدا ہو جاتا ہے جو پورے سمندر کو بھی زہریلا کر سکتا ہے۔ اس کے ایک ہی وار سے انسان مردے کی طرح ہو جاتا ہے۔ کبھی تو ایسا زخم لگتا ہے جو پوری زندگی بھر نہیں سکتا۔

اسلام میں زبان کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ نبی ﷺ کے اس فرمان سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ یَّضْمَنْ لِّیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْہِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنْ لَہُ الْجَنَّۃَ ۔ [بخاری: ٦٤٧٤]

''جو شخص مجھے دونوں جبڑوں کے درمیان (یعنی زبان) اور دونوں پاؤں کے درمیانی (یعنی شرمگاہ) کی حفاظت کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

اس حدیث سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زبان کو اسلام میں کس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کرنے پر جنت کی ضمانت ملتی ہے۔ اس لیے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اے انسان اپنی زبان کی حفاظت کر
کہ یہ اژدھا تجھے ڈس نہ لے

قارئین کرام! اگر زبان کی حفاظت نہ کی جائے تو اس کو بہت بڑا سانپ یعنی اژدھا کہا جائے تو اس میں شک والی بات نہ ہوگی۔ کیوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس کے ڈسنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ یہ اژدھا انسان کو کیسے ڈستا ہے اور ہلاکت کے دروازے تک پہنچاتا ہے۔ میں صرف اس کا ایک طریقہ واردات تحریر کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے: ''لعنت''

لعنت کیا ہے؟ اور اس کے ذریعے انسان کس طرح ہلاکت کے دروازے تک پہنچتا ہے؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں آپ کے سامنے اس کی وضاحت کرتا ہوں۔

لعنت ایک بددعا ہے جس کے معنی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جانا ہے۔ یہ جملہ کس قدر سخت ہے شاید آپ کو اس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب قیامت والے دن ہماری نجات اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر ممکن نہ ہوگی۔ پھر یہ لعنت کرنے والا شخص یا تو خود اس کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر جس پر لعنت کرتا ہے وہ اس کی زد میں آ جاتا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ لعنت کرنے والوں کو لعنت کرنے سے روکا ہے۔

حضرت سمرۃ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تُلَاعِنُوْا بِلَعْنَۃِ اللّٰہِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰہِ وَلَا بِالنَّارِ ۔

[ابوداؤد: ٤٩٠٦]

”تم یہ نہ کہو کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور نہ یہ کہو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اور نہ یہ کہو کہ تم جہنم میں جاؤ۔“

اس حدیث میں کتنے واضح الفاظ میں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ تم لعنت نہ کرو پھر اس کے ساتھ ساتھ اس قسم کے دوسرے الفاظ سے بھی منع فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کا سبب بنتے ہوں۔ جیسے تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو یا تم جہنم میں جاؤ وغیرہ۔ کیوں کہ یہ الفاظ بھی رحمت الٰہی سے محرومی پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لیے ہلاکت بیان کی ہے جو بہت زیادہ لعنت کرنے والا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴾ [الھمزۃ:۱]

”ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو بہت زیادہ طعن کرنے والا ہے، عیب لگانے والا ہے۔“

ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے ایک کافر کی بری عادتوں کا ذکر کیا اور ان میں سے یہ عادت بھی بیان کی کہ وہ بہت زیادہ طعن کرنے والا ہے اور بہت زیادہ چغل خور ہے۔ [القلم:۱۱]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طعن کرنے والے شخص یعنی لعنت کرنا ایک کافر کی بری عادتوں میں بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو ڈانٹ رہے ہیں۔ اسی دوران اس پر لعنت کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:

لَعَّانِيۡنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ كَلَّا وَرَبِّ الۡكَعۡبَةِ ۔

[البیھقی: ۵۱۵۴]

”یعنی ایک شخص لعنت کرنے والا بھی ہو اور صدیق بھی کہلائے کعبہ کے رب کی قسم یہ دونوں صفتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتیں۔“

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سنے تو فوراً غلام کو آزاد کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے لیے بخشش کی دعا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعنت کرنا کس قدر سنگین معاملہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر ہجرت کے ساتھی کو بھی ڈانٹ دیا۔ یہ تو ممانعت انسان پر لعنت کرنے کے متعلق تھی۔ ایسی بھی احادیث ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں پر بلکہ بے جان چیزوں پر بھی لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک قافلہ میں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ تھے۔ ایک عورت کو اس کی اونٹنی بار بار تنگ کر رہی تھی تو اس نے تنگ آ کر اونٹنی پر لعنت کر دی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: اس اونٹنی سے سامان اتار لو اور اس کو آزاد چھوڑ دو کیوں کہ اس پر لعنت ہو چکی ہے۔ پھر ایسا ہی کیا گیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سزا دینے کے لیے کہا۔ [ابوداؤد، الجھاد:۵]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور پھر بھی لعنت نہیں کرنی چاہیے اور اس سے اس بات کا بھی علم ہوا کہ لعنت کرنا کس قدر سنگین معاملہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر بھی لعنت کرنے کو برداشت نہیں کیا۔ اسی طرح غیر جاندار اشیاء پر بھی لعنت کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کی چادر ہوا نے اڑا دی تو اس نے ہوا پر لعنت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا:

لَا تَلۡعَنۡهَا فَإِنَّهَا مَأۡمُوۡرَةٌ وَإِنَّهُ مَنۡ لَعَنَ شَيۡئًا لَيۡسَ لَهُ بِأَهۡلٍ رَجَعَتِ اللَّعۡنَةُ عَلَيۡهِ ۔ [ابوداؤد: ۴۹۰۸]

”اس پر لعنت نہ کر کیوں کہ وہ تو تابع دار ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے) جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کی مستحق نہیں تو وہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔“

اس حدیث میں واضح الفاظ میں کسی بھی چیز پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ چیز جاندار ہو یا غیر جاندار۔ اس حدیث کے آخر میں جو غور طلب بات ہے وہ یہ ہے کہ اگر ملعون یعنی جس پر لعنت کی ہے وہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہے تو لعنت اس شخص پر لوٹ آتی ہے۔ ایک حدیث میں تو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

جب انسان کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو یہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اس کے جاتے ہی آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر یہ زمین کی طرف لوٹتی ہے تو زمین کے دروازے بھی بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر یہ دائیں بائیں گھومتی ہے جب اس کو کوئی راستہ نہیں ملتا تو یہ اس شخص کی طرف جاتی ہے جس پر لعنت کی جاتی ہے اگر وہ اس کا مستحق ہوتا ہے تو وہ اس کی زد میں آ جاتا ہے اور اگر وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا تو پھر لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔[ابوداؤد: ٤٩٠٥]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعنت کرنے سے کوئی نہ کوئی شخص اس کا ضرور شکار ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس طرح کوئی نہ کوئی ضرور ہلاکت کے دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ لعنت کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ ۔ [بخاری الادب:٤٤]

''جس کسی شخص نے کسی مومن پر لعنت کی تو وہ اسے قتل کرنے کی مثل ہے۔''

اس حدیث سے لعنت کرنے کے گناہ کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ جیسے کسی مومن کو ناجائز قتل کر دیا گیا ہو۔ ایک حدیث میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يَكُونُ اللَّعَّانُونَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ ۔

[مسلم: ٨٦/ ٥٩٨۔ ابوداؤد: ٣/ ٤١٠١]

''لعنت کرنے والے (قیامت کے دن) کسی کی سفارش اور نہ کسی کی گواہی دے سکیں گے۔''

اس حدیث میں اللہ عزوجل نے لعنت کرنے والے شخص کو قیامت والے دن جب امت محمدیہ دوسری امتوں پر گواہ ہوگی تو یہ لوگ اس سے محروم کر دیے جائیں گے اور کسی کی بھی سفارش نہیں کر سکیں گے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا احادیث سے آپ کو اس بات کا اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ لعنت کرنا کس قدر سنگین معاملہ ہے۔ لیکن آج ہماری زبان اس قسم کے الفاظ بڑی بے تکلفی سے ادا کرتی ہے اور اس مرض کا شکار زیادہ تر خواتین ہیں۔ اس بات کی تصدیق نبی ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے۔ جب آپ ﷺ نے عورتوں کو صدقہ خیرات کرنے کا حکم دیا اس بنا پر کہ ان کی تعداد جہنم میں مردوں کی نسبت زیادہ ہے۔ تو وجہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لعنت بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی بہت کرتی ہو۔ [بخاری الحیض:٦]

اس حدیث میں جہنم میں جانے کا ایک بڑا سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم لعنت بہت کرتی ہو۔

قارئین کرام! لعنت کرنے کی وجہ یا تو ہماری زبان کا بے جا استعمال ہے یا پھر ہماری ان احادیث مبارکہ سے دوری ہے۔ یعنی اس کی ہلاکت کا اندازہ نہیں ہے اگر ہم سے اس قسم کی غلطی صادر ہو جاتی ہے تو اس کی ہلاکت سے بچنے کے لیے ایک ہی طریقہ کار نبی ﷺ سے وارد ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے رحمت کی دعا کریں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ناحق لعنت کرنے والے کو معاف فرما دیں گے۔ نبی مکرم ﷺ جن کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے وہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ سَبَبْتُهُ اَوْ لَعَنْتُهُ اَوْ جَلَدْتُّهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ زَكَاةً وَّرَحْمَةً ۔

''اے اللہ! میں انسان ہوں اگر میں کسی بھی مسلمان کو برا کہوں یا اس پر لعنت کروں یا ماروں تو تو اس کو پاک کر دے اور اس پر رحمت فرما۔'' [مسلم البر:٨٨]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دعا کرنے سے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف فرما سکتا ہے۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔



شادی بیاہ میں اصلاح کا پہلو

میاں محمد افضل، چیئرمین اسلامک ویلفیئر فاؤنڈیشن

کچھ مذہبی لوگ نئی سے نئی بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنے کھانے پینے کا سلسلہ جاری رہے۔ کسی کے فوت ہونے کی صورت میں شرعی اعتبار سے نماز جنازہ کے بعد کوئی اجتماعی تقریب ثابت نہیں ہے۔ لیکن سوئم ہو رہا ہے، پھر ساتواں، دسواں، چالیسواں ہو رہا ہے، برسی ہو رہی ہے اور ان تمام موقعوں پر دیگیں پک رہی ہیں۔ کتنا بوجھ ہے جو لوگوں پر ڈالا جا رہا ہے، پھر قانون میں مین میخ نکال کر دین کو سخت سے سخت کرنا اور کرتے چلے جانا مذہبی استحصال ہے۔ مولوی اپنے لیے تو ''کتاب الحیل'' جانتا ہے کہ حیلہ کر کے بچ جاؤ۔ جب کہ دوسروں کو سخت سے سخت حکم سناتا ہے۔ انسان کچھ تو اپنے آس پاس کو دیکھ کر اور کچھ اپنی آبائی رسومات کے حوالے سے اپنے کندھوں پر بوجھ اور گردنوں میں طوق ڈال لیتا ہے۔ آج کے دور میں شادی بیاہ کی رسومات ربڑ کی طرح کھنچتی چلی جا رہی ہیں۔ دعوتوں پر دعوتیں ہو رہی ہیں، رشتہ طے کرنے گئے ہیں تو دعوت ہے، شادی کی تاریخ لینے گئے ہیں تو دعوت ہے، نکاح کرنے گئے ہیں تو دعوت ہے، پھر ولیمہ ہے بیٹی والا پس رہا ہے۔ نامعلوم کتنی تقریبات ہیں جن میں نہ صرف پیسے بلکہ لوگوں کے اوقات کا بھی ضیاع ہو رہا ہے۔ اگر دعوت کریں اور آپ کا کوئی دوست یا عزیز نہ آئے تو آپ کو شکایت ہوگی۔ لاہور جیسے بڑے شہر میں کہیں آنے جانے اور تقریبات میں شریک ہونے کے لیے کافی وقت چاہیے۔ پھر دستر خوان مقررہ وقت پر نہیں کھولے جاتے کہ ابھی فلاں صاحب نہیں آئے ہیں، جب کہ یہ دور تو **Time is Money** کا دور ہے۔

دراصل خرچ کے دو درجے ہیں: ایک اسراف اور ایک تبذیر۔ اسراف تو یہ ہے کہ کسی جگہ پر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے۔ خوراک انسان کی ضرورت ہے، جو ایک سالن روٹی سے بھی پوری ہو سکتی ہے، لیکن آج عام گھروں میں بھی کئی کئی قسم کے ڈنر ہو رہے ہیں۔ کئی کئی سالن پک رہے ہیں۔ یہ اسراف ہے اس طرح کپڑوں سے بڑی بڑی الماریاں بھری ہوئی ہیں یہ سراسر اسراف ہے۔ رہائش کے لیے ایک چھت تو ضروری ہے، لیکن ایکڑوں میں پھیلے ہوئے محل ہوں تو یہ اسراف ہے۔ ہمارے دین میں اسراف سے بھی منع کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر تبذیر ہے، فرمایا گیا:

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ﴾

[بنی اسرائیل: ۲۷]

''بے شک تبذیر کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

اس قسم کی تقریبات دشمنی اور بغض پیدا کرنے کا نہایت موثر ذریعہ ہیں۔ کیوں کہ جس سیٹھ کے محل میں اس کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے تو اس کا کوئی ڈرائیور بھی ہوگا، کوئی باورچی بھی ہوگا، کوئی پہرہ دار بھی ہوگا۔ ان کے گھروں میں بچیاں بوڑھی ہو رہی ہوں گی، جن کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں، جب وہ دولت کو پانی کی طرح بہاتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دل کی کیفیات کیا ہوں گی؟ انھیں موقع ملے گا تو کیا وہ اس سیٹھ کا پیٹ نہیں پھاڑیں گے؟ یہ فطری نتیجہ ہے۔ اس سے یقیناً دشمنی اور بغض پیدا ہوگا۔ صاحب حیثیت افراد نے جتنے خانے کھول دیئے ہیں، وہ تمام اسے بھی پر کرنے پڑ رہے ہیں۔ وہ سوچتا ہے میری بچی کیا کہے گی کہ قریب میں شادی ہوئی تھی تو کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ میرا باپ کیا دو جھالر لا کر نہیں لٹکا سکتا، جو کچھ ہو رہا ہے، کسی نہ کسی درجے میں اسے خانہ پری کرنی پڑتی ہے اور یوں جو بوجھ ان پر پڑتا ہے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جس شخص کے ہاں تین چار بیٹیاں ہو جائیں اس کی راتوں کی نیند اس فکر میں حرام ہو جاتی ہے

کہ کیسے ان کے ہاتھ پیلے کروں۔ یہ ہیں وہ اصرار و اغلال جنھوں نے خاص طور پر اس معاملے میں آج ہمارے معاشرے کے اندر ایک ناسور کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اس ضمن میں اصلاح کا معاملہ بہت عرصے سے سوچا جا رہا تھا کہ مسجدوں میں نکاح کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ لیکن اس سے بھی یہ ہوا کہ یہ تو ہیرا پھیری ہے، نکاح تو مسجد میں ہے، لیکن دعوت ہو رہی ہے کسی ہوٹل کے اندر۔ یہ تو الٹی مصیبت ہو گئی کہ رشتہ دار پہلے تو کسی مسجد میں جا کر نکاح میں شریک ہوں اور پھر ہوٹل میں جا کر کھانا کھائیں۔ یہ تو دوگنی مصیبت ہو گئی، بجائے اس کے کہ کچھ بوجھ کم ہو۔ مسجد میں نکاح کے بارے میں ایک حدیث مبارکہ موجود ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے:

اعلنوا هذا النكاح واجعلوه فى المساجد۔

[ترمذی: ۱۰۸۹ وقال حسن غریب]

''نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کیا کرو۔''

عیسائیوں میں یہ رسم اب تک موجود ہے۔ انھوں نے اپنے چرچ اور پادری کی عزت برقرار رکھی ہے کہ شادی خواہ شہزادی کی ہو یا شہزادے کی، چرچ میں ہو گی۔ کوئی پادری بغل میں رجسٹر دبا کر بیٹھا ہوا انتظار نہیں کرے گا کہ ابھی تک بارات نہیں آئی۔ ہمارے ہاں تو نکاح خواں بیٹھے بیٹھے سوکھ رہے ہوتے ہیں۔ پہلے انھیں اس کام کے تیس چالیس روپے ملتے تھے، اب پانچ سو، ہزار مل جاتے ہیں۔ عیسائیوں میں دولہا اور دلہن چرچ میں پادری کے سامنے کھڑے ہو کر ایجاب و قبول کرتے ہیں۔ نکاح سے معاشرے میں ایک نیا خاندان وجود میں آتا ہے۔ اس خاندان کے لیے جو دعا کی جاتی ہے، اس کے لیے مناسب ماحول چاہیے۔ آپ نے اعلیٰ ترین سنہری قسم کے شامیانے تان دیئے، فرش پر قالین بچھا دیئے، صوفے لگا دیئے، لیکن وہاں سگریٹ پیے جا رہے ہیں، ہر طرف دھواں ہے، اونچے اونچے قہقہے لگ رہے ہیں، غیبتیں ہو رہی ہیں، پھر یہ کہ کوئی بھانڈ آ گیا تو فحش گوئی کا اضافہ ہو گیا۔ ایسے ماحول میں ایک کونے میں بیٹھا مولوی کچھ پڑھتا ہے، جیسے کہ صرف دولہا کو سنا رہا ہو، اور پھر کہتا ہے کہ دعا مانگ لیں، دعا کیا خاک مانگیں! دعا کا ایک خاص ماحول ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف دلی توجہ وہ، رجوع ہو تو دعا مانگی جاتی ہے۔ لہٰذا نکاح کے موقع پر مانی جانے والی دعا کے لیے بہترین ماحول مسجد ہی میں مل سکتا ہے اور کہیں نہیں۔ یہ بات بھی غیرت کو جگانے والی ہے اور وہ یہ کہ اگر حضور ﷺ کی بیٹیوں کے نکاح مسجد میں ہوئے تو ایسا کون سا مسلمان ہے جو یہ کہہ سکے کہ میری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ باعزت ہے۔ لہٰذا اس کا نکاح مسجد میں نہیں ہو سکتا۔

مزید برآں مسجد میں نکاح کرنے سے پیسے اور وقت کی بچت ہوتی ہے۔ اگر آپ لڑکی والے کے ہاں جائیں گے تو وہ شامیانے لگائے گا، قالین بچھائے گا، کرسیاں اور صوفے منگوائے گا۔ رات ہے تو قمقمے لگائے گا، جس سے بجلی کا بھی خرچ ہو گا۔ اس کے مقابلے میں مسجد کے اندر کشادگی ہے، پنکھے بھی لگے ہوئے ہیں۔ وہاں نکاح کرنے سے کتنا پیسہ بچ سکتا ہے، اس کا تصور کیجیے۔ دوسری بات یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کے موقع پر کوئی دعوتِ طعام قطعاً ثابت ہی نہیں۔ شادی کی دعوت صرف ایک ہے اور وہ ولیمہ ہے۔ لڑکا ولیمہ اس لیے دیتا ہے کہ اس کا گھر آباد ہوا ہے۔ اصل خوشی اس کے ہاں ہے۔ لڑکی والوں کے ہاں خوشی نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اطمینان کا احساس ہوتا ہے کہ ایک ذمہ داری کا بوجھ اتر گیا ہے۔

خوشی کیسے ہو سکتی ہے گھر سے بچی رخصت ہو رہی ہے۔ کوئی جانور چند دن پہلے لے آئیں تو بچے اس سے اس قدر مانوس ہو جاتے ہیں کہ عید کے روز پچھاڑیں کھاتے ہیں کہ کیوں ذبح کر رہے ہو۔ اسی طرح جب وہ لختِ جگر، نورِ چشم گھر سے رخصت ہوتی ہے تو منظر یہ ہوتا ہے کہ ماں بھی رو رہی ہوتی ہے، بہن بھائی رو رہے ہیں، دلہن خود بھی افسردہ ہے، باپ کی آنکھیں پرنم ہیں۔ لہٰذا لڑکی والوں کے لیے یہ خوشی کا موقع نہیں ہے۔ پھر یہ تضاد دیکھئے کہ نکاح کے موقع پر چھوہارے تو لڑکے والے تقسیم کریں جب کہ مرغ پلاؤ لڑکی والوں سے کھایا جائے۔ ذرا عقل کے ناخن لو، جو تمھیں مرغ پلاؤ کھلا سکتا ہے کیا وہ چھوہارے نہیں

بانٹ سکتا؟ یہ ساری صورتِ حال درحقیقت ہندوانہ پس منظر اور اسلامی پس منظر کے گڈ مڈ ہونے کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا نکاح کے موقع پر یہ انتہائی نامعقول بات ہے کہ چھوہارے لڑکے والے لاتے ہیں اور پھر لڑکی والوں سے دعوت کھاتے ہیں۔ اسلام میں شادی کی دعوت صرف ایک ہے، اور وہ ولیمہ ہے۔ اس کے لیے حضور ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ

اولم ولو بشاة ۔ [بخاری: ۵۱۴۸۔ مسلم: ۹۰/ ۱۴۲۸]

''ولیمہ ضرور کرو چاہے تمہارے پاس ایک ہی بکری ہو۔''

یہ عرب میں مفلس ہونے کی سب سے بڑی علامت تھی، وہاں تو بھیڑیں اور بکریاں پالی جاتی تھیں۔ لوگوں کے پاس ان کے ریوڑ ہوتے تھے۔ لیکن فرمایا گیا کہ ایک ہی بکری ہے تو وہی ذبح کرو، گوشت پکاؤ اور کھلاؤ۔ ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیاتها ۔

[بخاری: ۵۱۷۳۔ مسلم: ۹۶/ ۱۴۲۹]

''جب تم میں سے کسی کو ولیمے کی دعوت دی جائے وہ ضرور جائے۔''

اس سلسلے میں مزید جو کچھ فرمایا گیا اس کے ذریعے سے ہمارے دین اور حضور ﷺ کے فرمودات میں توازن کا ایک نقشہ سامنے آتا ہے۔ فرمایا:

شر الطعام طعام الولیمة یدعی الیه الاغنیاء ویترك الفقراء ۔ [بخاری: ۵۱۷۷۔ مسلم: ۱۰۷/ ۱۴۳۲]

''سب سے برا کھانا ولیمے کا کھانا ہے جس میں مساکین کو چھوڑ کر مال داروں کو بلایا جاتا ہے۔''

اس لیے کہ ولیمہ تو دراصل اپنے دوستوں، احباب، رشتہ داروں اور قرابت داروں کو خوشی میں شریک کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن اسی حدیث کا اگلا ٹکڑا ہے:

فمن لم یات الدعوة عصی الله ورسوله ۔

[بخاری: ۵۱۷۷۔ مسلم: ۱۰۷/ ۱۴۳۲]

''پس جو دعوت پر حاضر نہ ہوا تو اس نے گویا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔''

اتنی سخت تاکید ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر تمہارے کسی بھائی نے نکاح کیا ہے اور اس کے پاس ولیمے کے لیے کچھ نہیں تو اپنے گھر سے کھانا لے جاؤ اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھالو۔ یہ خوشی منانے کی ایک علامت ہے۔ ذرا سوچیے کہ نبی ﷺ نے دعوتِ ولیمہ پر اتنی تاکید کی ہے، اگر لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کے موقع پر دعوت میں بھی کوئی خیر ہوتا تو کیا آپ ﷺ ہمیں یہ نہ سکھاتے؟ کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن کی رو سے ولیمہ نکاح کے فوراً بعد بھی ہوسکتا ہے۔ چناں چہ سعودی عرب میں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اگر چہ عام یہی ہے کہ ولیمہ خلوتِ صحیحہ کے بعد ہونا چاہیے۔ اور ہمارے ہاں بھی یہی رواج ہے۔ متذکرہ بالا دو باتوں سے ایک تیسرا نتیجہ خود نکل آیا کہ بارات کی نفی ہوگئی۔ یہ وہ شے ہے جس کا کوئی ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں، بلکہ عربی میں بارات کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ نکاح مسجد میں ہو، جس کے لیے لڑکے والے اور لڑکی والے وہیں جمع ہوں اور اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔ لڑکی کی رخصتی ہم نے ایک علیحدہ رسم بنادی ہے کہ اس موقع پر بھی کیا کچھ ہونا چاہیے۔

لیکن غور طلب معاملہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کیسے ہوئی تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ذاتی گھر نہیں تھا۔ وہ فقرائے صحابہ میں سے تھے۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے انھیں حجرہ دیا، جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر گئیں۔ اس موقع پر حضور ﷺ ہی کے گھر کی کچھ مستورات جا کر انھیں وہاں پر چھوڑ کر آئیں۔ لڑکے والوں کی طرف سے خود لڑکا بھی نہیں آیا۔ ذرا سوچیے کہ جب کچھ لوگ آئیں گے تو پھر کسی تقریب کا اہتمام بھی کرنا پڑے گا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ آئیں اور آپ ان کی خاطر تواضع کا انتظام نہ کریں۔ پھر یہی چیز بڑھتے ہوئے ایک پوری رسم بن جائے گی۔ چناں چہ بارات کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ رسموں کے طومار میں ایک کمینی رسم یہ بھی ہے کہ لڑکے والے نکاح کے اگلے روز ناشتہ بھی لڑکی

والوں سے منگواتے ہیں اور وہ بھی سارے گھر والوں کا۔ جہیز نام کی کوئی چیز قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ خالصتاً ہمارے ہندوانہ پس منظر کی پیداوار ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جہیز اس لیے ہے کہ وراثت میں لڑکی کا کوئی حصہ نہیں وارث صرف لڑکے ہوتے ہیں۔ بلکہ ہمارے ہاں جاگیرداروں میں بھی روایت یہ ہے کہ جائیداد بیٹوں میں بھی تقسیم نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اس طرح تو وہ تقسیم در تقسیم کے باعث چھوٹی سی ملکیت رہ جائے گی، پھر رعب ودبدبہ کہاں رہے گا؟ سومربع زمین اگر دو بیٹوں میں تقسیم ہوگئی تو ہر ایک کے حصے میں پچاس پچاس مربع آئے۔ پھر اگر ان کے چار چار بیٹے ہوئے تو کیا رہ گیا اب وہ شان کہاں رہے گی۔ لہٰذا صرف بڑا بیٹا وارث ہوتا ہے، باقی سب اس کے کمی کاری۔

جب کہ لڑکیوں کے لیے تو کوئی سوال ہی نہیں کہ وراثت میں حصہ ہو۔ لہٰذا جب وہ اسے گھر سے رخصت کرتے تھے تو اس وقت کچھ دے دلا دیتے تھے۔ اس کو وہ ''دان دہیج'' کہتے تھے کہ یہ ہم خیرات دے رہے ہیں ورنہ یہاں لڑکی کا حق کوئی نہیں یہ ہے جہیز کا پس منظر۔ پھر چوں کہ عام طور پر لوگ چھوٹی چھوٹی بستیوں اور دیہات میں رہتے تھے۔

اور ہندوؤں میں یہ رواج بھی ہے کہ شادی کسی دور کے خاندان سے کرو، قریب میں نہ کرو۔ لہٰذا جہیز سے لدے پھندے مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آتے ہوئے راستے میں چوری چکاری اور ڈاکے کا خطرہ رہتا تھا۔ اس کے لیے جتھا لے کر جانے کی ضرورت ہوئی، جسے بارات کا نام دیا گیا۔ یہ درحقیقت مالِ غنیمت بحفاظت لانے کا بندوبست ہے۔

اسلام میں جہیز کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ البتہ اس معاملے میں ہمارے ہاں بھی ایک مغالطہ ہے، اسے سمجھ لیجیے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کے وقت جو سامان دیا گیا اس پر جہیز کے لفظ کا اطلاق جنھوں نے بھی کیا ہے امت پر ظلم ڈھایا ہے۔ آج حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی بنیاد پر لاکھوں، کروڑوں روپے کا جہیز دیا جارہا ہے۔ کار دی جارہی ہے، فلیٹ دیا جارہا ہے۔ ایک کروڑ پتی کے گھر سے نکل کر لڑکی دوسرے کروڑ پتی کے گھر میں جارہی ہے تو کروڑوں لے کر جارہی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی حقیقت کیا تھی، یہ سمجھ لیجیے جب شادی کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا:

''علی تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کچھ پیسے ہیں؟'' عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ وہ فقرائے صحابہ میں سے تھے، جیسے حضرات ابودرداء، سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ درویش صحابہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''تمہارے پاس ایک زرہ ہوتی تھی۔'' انھوں نے کہا وہ تو ہے۔ (اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب نفی میں اس لیے دیا تھا کہ زرہ کوئی دنیاوی دولت نہیں ہے، وہ تو جہاد کے لیے ایک اسلحہ ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اسے بیچو یا گروی رکھ کر قرض لے کر آؤ۔ اس لیے کہ مہر تو بہرحال دینا ہے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی زرہ لے کر بازار گئے۔ حضرت عثمان نے وہ تیس یا بعض روایات کے مطابق تین سو درہم میں خرید لی۔ عجب بات دیکھیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چند دنوں کے بعد اسے ہدیتاً واپس کردیا۔ خرید اس لیے لی تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ویسے کچھ رقم کی پیشکش کرتے تو ان کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچتی کہ مجھے خیرات دے رہے ہیں۔ چناں چہ اس وقت دراہم کے عوض خرید کر بعد میں ہدیتاً پیش کردی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ پیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اس رقم کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے اندر بھجوادیا تا کہ دلہن کو تیار کرنے کے لیے کسی اچھے لباس اور خوشبو کا انتظام کیا جاسکے۔ باقی رقم سے یہ سامان بنایا:

ایک گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، دو تکیے، ان میں بھی کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، پانی لانے کے لیے ایک مشکیزہ، گندم میسر ہو یا جو تو اسے پیسنے کو ایک چکی، ایک دو برتن، یہ ان پیسوں سے خریدی ہوئی چیزیں تھیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ بیچ کر حاصل کیے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جیب سے ایک پیسے کی بھی کوئی شے نہیں دی، جسے جہیز کہا جاسکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کے نکاح تو مکہ مکرمہ میں ہوچکے تھے، جب کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح ہجرت کے

بعد مدینے میں ہوئے۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں جا رہی تھیں۔ وہاں چوں کہ بھرا گھر تھا اور ضرورت کی ہر شے موجود تھی اس لیے کوئی چیز دینے کا ذکر نہیں ملتا۔ ذرا غور کیجیے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بے انصافی کرتے کہ ایک بیٹی کو تو جہیز دیتے جب کہ دوسری کو نہ دیتے۔ جہیز کی اس لعنت کی جڑ کاٹنا آسان نہیں ہے۔ باقی سارے کام ہوجائیں گے لیکن یہ مسئلہ دولت کا ہے اور ﴿ وانہ لحب الخیر لشدید ﴾ کے مصداق انسان کو دولت بڑی پیاری ہے۔

لڑکے والے جہیز مانگتے ہیں اور لڑکی والے مجبور ہیں کہ انھوں نے اپنی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں انھیں ساری عمر اپنے ہاں بٹھائے تو نہیں رکھنا۔ وراثت میں لڑکی کا حق ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن منطقی طور پر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر بیٹی کا کوئی حق نہ ہوتا تب بھی ٹھیک تھا۔ دیکھیئے شادی اگرچہ لڑکی کی بھی ضرورت ہے اور لڑکے کی بھی، عورت بغیر شوہر کے اور مرد بغیر بیوی کے نامکمل ہیں، لیکن مہر لڑکا دیتا ہے۔ اسی طرح نان نفقہ کا ذمہ دار بھی لڑکا ہے لڑکی پر تو کوئی مالی بوجھ ہے ہی نہیں۔ اس لیے اگر وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوتا تب بھی یہ بات محالِ عقلی نہیں تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، شریعت اسلامی نے عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ لڑکے کے مقابلے میں اسے آدھا ملے گا۔ اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کو آدھا ملے گا۔

بہرحال جس معنی میں جہیز آج ہمارے ہاں رواج پاچکا ہے، یہ شریعت کے بالکل منافی ہے۔ یہ جو چیزیں میں نے بیان کی ہیں ان سب میں اگر آپ غور کریں تو پتا چلے گا کہ اصل فلسفہ یہ ہے کہ شادی کے معاملے میں لڑکی والے پر ایک پیسے کا بھی بوجھ نہ ہو۔ آخر والدین نے بچی کو پالا پوسا ہے، تعلیم دلائی ہے، کوئی تہذیب دی ہے، اب وہ لڑکی آپ کے حوالے کر رہے ہیں۔ یہ انتہائی بے شرمی اور بے غیرتی ہے کہ آپ ان سے مزید کچھ طلب کریں۔ اس لیے سارا بوجھ لڑکے والے پر ہے، کیوں کہ گھر اس کا آباد ہو رہا ہے۔ لہٰذا مہر وہ دے گا، ولیمہ وہ کرے گا، نان نفقہ کا ذمہ دار وہ ہوگا، لڑکی والے کا خرچ صفر۔ نہ اس کے گھر پر بارات آنی ہے، نہ اس نے کوئی شامیانے لگانے ہیں، نہ کسی دعوتِ طعام کا انتظام کرنا ہے، نہ اسے چھوہارے تقسیم کرنے ہیں۔ یہ ایک انتہائی انقلابی تصور ہے جو میں آپ کے سامنے دلائل کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

اسلام کی معاشرت کا یہ فلسفہ ہے کہ شادی بیان کے اندر لڑکی والے پر کوئی بوجھ نہ آئے۔ اگر کسی کی چار پانچ بیٹیاں ہیں تو اسے ان کی شادی کے لیے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے کوئی خرچہ کرنا ہے۔ مالی بوجھ سارے کا سارا لڑکے والے اٹھائیں گے۔ آخری اصلاح ہم نے خطبہ نکاح کے معاملے میں کی۔ کوئی بھی خطبہ درحقیقت تعلیم وتربیت کے لیے ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ مدرسہ تھا، نہ کالج، نہ کتابیں، قرآن بھی پورا ایک جلد کے اندر کسی کے پاس موجود نہیں تھا۔ نہ کوئی ویڈیو اور آڈیو ذرائع تھے۔ تعلیم کا طریقہ بس یہی تھا کہ کسی بھی موقع پر جب مسلمان جمع ہوں جیسے کسی نکاح کی تقریب میں، نمازِ عیدین وجمعہ کے لیے، لشکر کی روانگی کے وقت، کسی بیرونی وفد کی آمد کے موقع پر تو خطبہ دیا جائے گا، اس خطبے ہی میں ساری تعلیم ہوتی تھی۔

سب سے مکمل اور سب سے زیادہ دیا جانے والا خطبہ وہ ہے جو جمعہ کے دن دیا جاتا ہے لیکن اب فرق یہ واقع ہوگیا ہے کہ ہمارے ہاں جو مسنون خطبے پڑھے جاتے ہیں وہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ع
''زبانِ یارِ من عربی ومن عربی نمی دانم''

دیہات میں تو خطبہ پڑھنے والے کو بھی نہیں پتا ہوتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ وہ کتاب کھول کر اٹک اٹک کر پڑھ رہا ہوتا ہے، البتہ شہروں میں مساجد کے اندر علماء ہیں جو کتاب سے پڑھے بغیر زبانی بھی خطبہ دے دیتے ہیں۔ ایک اور بات میں آپ کو بتاؤں، دورِ جاہلیت میں نکاح کے موقع پر دو خطبے ہوا کرتے تھے۔ ایک خطیب لڑکی والوں کی طرف سے ہوتا تھا، جو کھڑے ہوکر لڑکی کے خاندان کی شان وشوکت پر تقریر کرتا کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے، ہماری یہ حیثیت اور عزت تھی، ہمارا یہ دبدبہ تھا۔ پھر ایک خطیب لڑکے والوں کی طرف سے کھڑا ہوجاتا تھا جو اپنے خاندان کی عظمت کا راگ الاپتا تھا۔ ان دو خطبوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ بنا دیا۔ اس میں حمد وثنا اللہ کے لیے رکھی اور قرآنِ مجید سے

چار آیتیں جمع کر دیں۔ یہ تعلیم کا ذریعہ تھا، لیکن آج ہمارے ہاں نکاح خواں اسے کونے میں بیٹھ کر ایسے سناتا ہے جیسے صرف دولہا کو کچھ سنانا مقصود ہو۔

عرب میں خطبہ کھڑے ہو کر دیا جاتا تھا اور یہی اس کا صحیح طریقہ ہے۔ خطبے کے ساتھ کم سے کم اس کا ترجمہ اور کچھ وضاحت بھی بیان کی جانی چاہیے، جیسے جمعہ کے اجتماع میں عربی خطبہ بھی پڑھا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی وعظ ونصیحت اور تعلیم وتلقین بھی ہوتی ہے۔ البتہ آج کل اکثر وبیشتر دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ یا تو اختلافی مسائل پر دھواں دار تقریریں ہوتی ہیں یا پھر سیاسی مسائل کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ خطبہ جمعہ کے بارے میں مسلم شریف کی روایت ہے:

کانت للنبی صلی الله علیه وسلم خطبتان یجلس بینهما۔

''حضور ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے جن کے درمیان آپ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھتے تھے'' جیسے ہمارے خطیب بیٹھتے ہیں۔

چوں کہ سننے والوں کی زبان عربی تھی، اس لیے تذکیر خود بخود ہوجاتی تھی۔ ادھر حضور ﷺ کے قلب مبارک سے بات نکلتی ادھر ان کے دلوں میں اتر جاتی۔ لیکن اب خطبہ نکاح کے ساتھ اس کا ترجمہ اور کسی نہ کسی درجے میں اس کا مفہوم بھی بیان ہونا چاہیے۔ نکاح کے موقع پر قرآنِ مجید کی جن چار آیات کو تلاوت کیا جاتا ہے۔ ان میں بار بار تقویٰ کا ذکر آتا ہے۔ ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ ان چار آیات کی بجائے، کوئی اور چھوٹی سورۃ بھی شامل کی جاسکتی تھی، مثال کے طور پر ''سورۃ اخلاص'' پڑھ لی جاتی۔ اس کی بھی چار آیات ہیں۔ یا ''سورۃ العصر'' تلاوت کی جاتی جس کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

لیکن ان چار آیات کو موقع محل کی مناسبت سے شامل کیا گیا۔ ان آیات میں دونوں خاندانوں کے لیے بڑی وعید ہے اور ان کی اصلاح کا بہت بڑا پہلو بیان کیا گیا ہے۔ جب ان آیات کو باترجمہ بیان کیا جائے گا تو دونوں خاندان اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بطریق احسن سمجھ سکیں گے اور تقویٰ کا مفہوم اگر سمجھ آجائے تو نیا وجود میں آنے والا خاندان ایک دوسرے کے حقوق وفرائض بہتر انداز سے پورا کر سکے گا۔ اس سلسلے میں علمائے کرام اہم ذمہ داری ادا کرسکتے ہیں۔ اگر وہ طے کرلیں کہ ہم مسجد میں ہی نکاح پڑھائیں گے اور ان آیات کو مختصراً تشریح کے ساتھ بیان کریں گے۔



شیخ خالد مسعود بھنڈاری رحمہ اللہ

محمد رفیق زاہد، مدیر التعلیم دارالحدیث راجووال

فروری ۱۹۹۹ء کی بات ہے جب راقم ملازمت کے سلسلے میں گوجراں والا لجنۃ المساجد کے دفتر میں حاضر ہوا۔ گوجراں والا شہر میرے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اُن دنوں یہ دفتر لوہے والے بازار میں واقع تھا۔ رحمان ہارڈ ویئر کی معرفت جب میں دفتر پہنچا تو وہاں دو آدمیوں کو موجود پایا۔ ان میں ایک صاحب تو بالکل نوجوان اور دوسرے جناب شیخ خالد مسعود بھنڈاری تھے۔ چہرے مہرے سے ماشاءاللہ پکے سلفی نظر آتے تھے۔ تعارف کے بعد میں نے عرض کی الٰہ آباد قصور سے حاضر ہوا ہوں۔ فرمانے لگے کافی دیر سے آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ میرے ذہن میں دفتر کا جو تصور تھا یہ دفتر اس کے بالکل برعکس پایا۔ کیوں کہ عربوں کے مزاج سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن کچھ لوگ سادہ مزاج ہوتے ہیں ان کا ہدف خوبصورت عمارت اور فرنیچر نہیں ہوتا بلکہ کام، کام اور صرف کام ہوتا ہے۔ یہی کیفیت ہمارے اس ادارے کی تھی جس کے ذریعے سیکڑوں مساجد اللہ کے فضل ورحمت سے تعمیر ہوئیں اور تاہنوز سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو اور اس کے تمام کارکنان اور رفقاء کو سلامت رکھے، آمین یارب العالمین۔

مکتب کی یہ سادگی اور اس کا تعمیری کام رفقاء مکتب کی للّٰہیت اور خلوص کا نتیجہ ہے۔ جس سے مسلک اہل حدیث کو بے حد فائدہ پہنچا اور اب تک ساقی کی نوازش جاری ہے۔

آمدم برسر مطلب! اب اپنے ممدوح شیخ خالد مسعود رحمہ اللہ کی طرف آتے ہیں۔ میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی اور اس ملاقات کا سبب میرے عظیم محسن اور مربی استاذ العلماء، مفتی جماعت اور جامع ترمذی کے محشیٰ حضرت حافظ ثناء اللہ مدنی متعنا اللہ بطول حیاتہ بنے۔ ان کی شفقت اور پیار کا نتیجہ تھا کہ مجھے اس ادارے میں رہ کر مسلکی خدمت کا موقعہ بھی میسر آیا۔ شیخ خالد مسعود کا بارونق چہرہ اور چہرے پر سنت رسول محفوظ جو پورے سینے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ خوب صورت سرخ وسفید رنگ، آنکھوں پر نظر کی عینک اور ان کے ہمراہ ان کے لخت جگر شیخ فرقان مسعود تھے۔ کہنے لگے یہ میرے برخوردار فرقان ہیں جو دفتر میں اسسٹنٹ انجینئر ہیں۔ پھر میرے کام کی تفصیلات بتائیں اور مجھے اپنے ساتھ ڈی سی روڈ پر ایک کوٹھی میں لے گئے۔ میں نے سمجھا کہ یہ کوٹھی شیخ خالد صاحب کی ہوگی لیکن چند دن بعد پتا چلا کہ ان کا تو اپنا ذاتی مکان بھی نہیں۔ کسی کے مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ اور یہ مکان جس میں شیخ صاحب مجھے لے کر گئے تھے یہ جماعت کے دیرینہ خادم اور علماء کے قدر دان شیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ اور ان کے بھائیوں کا مکان ہے۔ محترم جاوید صاحب جمعیۃ احیاء التراث کویت میں برصغیر کے مندوب ہیں۔

اب شیخ خالد مسعود کی جماعتی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ خاندانی اعتبار سے مسلک اہل حدیث سے وابستہ نہ تھے۔ ۱۹۸۶ء میں آپ نے جب اس ادارے کی ملازمت اختیار کی تو اکثر وبیشتر علمائے کرام سے ملاقات رہتی اور مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی اور جماعت کے عظیم محسن شیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کے ساتھ بھی ان کے دیرینہ تعلقات تھے اور شیخ عارف جاوید محمدی صاحب خاندانی اہل حدیث تھے۔ ان کی مسلسل محنت اور کوشش سے شیخ خالد صاحب نے مسلک اہل حدیث قبول کیا اور پھر بذات خود بڑی سنجیدگی کے ساتھ صحیح بخاری شریف (مترجم) برصغیر کے معروف عالم دین مولانا محمد داؤد راز رحمہ اللہ کا ترجمہ شیخ صاحب کے لیے انڈیا سے منگوایا جو یقیناً شیخ عارف جاوید صاحب کے لیے صدقہ جاریہ رہے گا۔

شیخ خالد مرحوم نے صحیح بخاری کا مطالعہ بڑے ذوق سے کیا اور پکے عامل بالحدیث بنے اور ان کی تربیت دو اور بزرگوں کی محنت کا حاصل بھی ہے۔ ان دونوں میں سے ایک جماعت کے بزرگ عالم دین مولانا چراغ دین صاحب جو اصلاً نور پور کے رہنے والے تھے۔ بعد ازاں قلعہ دیدار سنگھ میں منتقل ہوئے۔ ہمارے بزرگ حافظ عبدالمنان نور پوری

صاحب نے انہی کی توجہ اور محنت سے علم دین سیکھا جو ماشاء اللہ جامعہ محمدیہ گوجراں والا میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ دوسرے بزرگ حاجی عبدالحق ناگی مرحوم تھے۔ وہ بھی دیندار اور امانت و دیانت کے پیکر تھے اور گوجراں والا کی جماعت کے انتہائی مخلص کارکن تھے۔ ان سے جب بھی ملاقات ہوئی بس ایک بات کی تاکید فرماتے اخلاص کے ساتھ کام کریں۔ خود اپنے اخلاص کا یہ حال تھا کہ اپنے ذاتی کام کے لیے ادارے کی پنسل بھی استعمال نہ کرتے تھے ان دونوں کے زیر سایہ شیخ صاحب مرحوم نے تربیت پائی۔ حسابات کے لیے شیخ صاحب کو ادارے میں متعین کیا گیا۔ کیوں کہ آپ حساب کے بڑے ماہر تھے اور ان کی عصری تعلیم قدیم دور کا میٹرک تھی۔ حسابات میں مہارت اپنے ذاتی کاروبار کی وجہ سے ہوئی۔ کیوں کہ ان کا چاول کا ذاتی کارخانہ تھا جس کے حسابات شیخ صاحب کے ذمے تھے۔ ادارے میں آ کر صرف حسابات ہی نہیں بلکہ ادارے کے تمام کاموں کو بڑے اخلاص اور دلچسپی سے کرتے تھے۔

لجنۃ المساجد میں آ کر صرف اکاؤنٹنٹ ہی نہ تھے بلکہ انجینئر بھی تھے۔ جب کہ انجینئرنگ کی تعلیم آپ نے باقاعدہ حاصل نہیں کی تھی جب آپ کی امانت و دیانت کو اچھی طرح پرکھا گیا تو ادارہ کی تمام ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر ڈال دی گئیں۔ ہر منصوبے پر خود پہنچتے اور ٹھیکیدار کی پوری پوری راہنمائی فرماتے۔ ہر مشروع کا اسٹیمپ خود لگاتے ہمیشہ آپ کا معمول رہا کہ دن کو سفر اور رات کو حسابات مکمل کرنا ایک ایک پیسے کا حساب لگاتے جب تک حساب مکمل نہ ہوتا آرام نہ کرتے۔ محنت وشوق اور لگن اتنی کہ قبلہ رخ متعین کرنے کے لیے ہر ضلع کی ڈگریاں نکالی ہوتی تھیں اور محکمہ موسمیات کے افسران کے ساتھ بھی تبادلہ خیال کرتے رہتے تھے تاکہ قبلہ رخ کے تعین میں کوئی فرق نہ آئے۔ ہر مسجد کی جگہ کی تقسیم اس طرح لگاتے کہ ایک انچ بھی جگہ ضائع نہ ہونے دیتے اور تعمیری کام اتنا معیاری کہ کوئی مثال نہیں دی جاسکتی۔ ادارہ کے زرمبادلہ کو جماعتی امانت تصور کرتے، فضول خرچی نام کی کوئی چیز ان میں نہ تھی۔ راقم آثم کو ان کے ہمراہ متعدد مرتبہ سفر کا اتفاق ہوا۔ پنجاب بھر کے سفروں میں ان کی رفاقت رہی لیکن کبھی ہوٹلنگ نہیں کی۔ کسی بھی سفر پر جاتے ہوئے اکثر ہماری خوراک بھنے ہوئے چنے اور سادہ پانی ہوتی۔ طبیعت میں سادگی اس قدر تھی کہ تکلفات کو کبھی قریب نہ لاتے۔ گاڑی میں ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے اور دوران سفر آیۃ الکرسی اور درودِ ابراہیمی کا وظیفہ زبان پر جاری رہتا۔ دورانِ سفر بلاضرورت نہ بولتے اور تیز رفتاری سے گریز کرتے۔ یہ بھی تاکید فرماتے کہ رات کو سفر ہرگز نہیں کرنا۔

شیخ خالد مسعود جون ۱۹۳۷ء کو ایمن آباد گوجراں والا میں پیدا ہوئے۔ مکمل عصری تعلیم اپنے اسی قصبے میں حاصل کی۔ عصری تعلیم میٹرک تھی۔ دینی مسائل کا مطالعہ بذات خود کیا اور بہت سے مسائل سے واقف ہوگئے۔ ﴿تلك الايام نداولها بين الناس﴾ ''یہ اللہ کا فیصلہ ہے ایام میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔'' اسی طرح ان کے کاروبار میں بھی کچھ خسارہ ہوگیا اور کچھ وقتی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر ۱۹۸۶ء میں لجنۃ المساجد میں ملازمت اختیار کی اور اپنے کارخانہ کو فروخت کر کے رقم مکان کی تعمیر پر خرچ کی اور کچھ قرض لیا جس کے بارہ میں ہمیشہ فکر مند رہتے اور کہا کرتے کہ جب مجھے موت آئے تو مجھ پر قرض کا بار نہ ہو اور فوت ہونے سے پہلے اپنا مکمل قرض اتار چکے تھے۔

انتہائی ملنسار، فخر وتکبر نام کی کوئی چیز ان میں نہ پائی جاتی تھی۔ لباس میں سادگی اور طبیعت میں نفاست، گفتگو میں سنجیدگی بدرجہ اتم تھی۔ مسائل کے مطالعے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے مطالعہ کا بھی بے حد ذوق تھا۔ ۲۰۰۶ء میں بیمار رہنے لگے علاج میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی اور بیماری میں مزید شدت آ گئی تو ۹ فروری ۲۰۰۶ء کو احسان ہسپتال لاہور میں علاج کے لیے آ گئے۔ ۱۱ فروری ۲۰۰۶ء کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ مسلسل بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ ان کے بڑے بیٹے فرقان صاحب ان کی خدمت پر مامور تھے۔ ۱۱ فروری شام کے وقت ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا اپنے گھر گوجراں والا میں پہنچ کر رات ساڑھے گیارہ بجے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی نماز جنازہ دو دفعہ پڑھائی گئی۔ علماء ونمازی حضرات شریک تھے۔ پہلی دفعہ نماز جنازہ حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب نے جامع مسجد سید نواب صدیق الحسن خان میں پڑھائی۔ یہ مسجد شیخ خالد نے تعمیر کرائی تھی۔ اور دوسری مرتبہ ان کے آبائی قصبہ ایمن آباد میں مولانا بشیر طیب صاحب نے پڑھائی۔ امانت ودیانت کے پیکر اور لجنۃ المساجد کے روح رواں کو ۱۲ فروری ۲۰۰۶ء کو ان کے آبائی گاؤں میں سپردِ خاک کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بشری لغزشوں کو معاف فرما کر ان کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

فہرست اردو کتب

مکتبہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

۲۹۷ء۰۷ محمد صلاح الدین
ص۸۱ب بنیادی حقوق، ص:۳۳۶، ادارہ ترجمان القرآن لاہور۱۹۷۸ء

۲۹۷ء۰۷ صوفی نذیر احمد کاشمیری
ن۴۴ا انسانی معاشرے کی پائیداری وابدی بنیادیں، ص:۴۷، مکتبہ مسلم بربرشاہ سری نگر
۲۔ حقیقت دین، تجدید دین، تفرقہ فی الدین کا مفہوم، اور مودودی اور ان کی جماعت کے کلی دین کی حقیقت، مولانا صوفی نذیر احمد کاشمیری

۲۹۷ء۰۷۱ ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری
ح۶۲د دینی مدارس، ص:۲۷۷، فضلی سنز لمیٹڈ کراچی ۲۰۰۲ء

۲۹۷ء۰۷۱ سفیر اختر
س۴۹پ پاکستانی جامعات میں عربی زبان وادب اور علوم اسلامیہ میں تحقیق، ص:۲۴، ندوۃ المعارف لاہور ۱۹۹۹ء

۲۹۷ء۰۷۱ حافظ نذر احمد
ن۱۴۱ج جائزہ مدارس عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان، ص:۸۴۶، انجمن حمایت اسلام پریس لاہور ۱۹۶۰ء

۲۹۷ء۰۷ صوفی نذیر احمد کاشمیری
ن۴۴ج جہاد اعظم کی تیاری، ص:۱۱۲، مکتبہ السّلفیہ لاہور۔س،ن

۲۹۷ء۰۷ پروفیسر محمد نواز چوہدری
ن۸۵ت تفہیم اسلامیات، ص:۲۶۴، قریشی برادرز پبلشرز لاہور ۱۹۹۱ء

۲۹۷ء۰۷ مولانا محمد منظور نعمانی
ن۶۷ا اسلام کیا ہے؟ص:۲۳۱، مجلس نشریات اسلام کراچی۔س،ن

۲۹۷ء۰۷ مولانا وحید الدین خان
و۴۴ا الاسلام، ص:۱۷۵، المکتبہ الاشرفیہ لاہور ۱۹۷۵ء

۲۹۷ء۰۷ مولانا وحید الدین خان
و۴۴ت تبلیغی تحریک، ص:۹۶، المکتبہ الاشرفیہ لاہور۔س،ن

۲۹۷ء۰۷ دکتور محمد خلیل ہراس، مترجم: حافظ محمد اسلم
ھ۱۷۶ت تحریک وہابیت اور اس کا پس منظر، ص:۹۱، ادارۃ الاسلامیہ فیصل آباد۔س،ن

۲۹۷ء۰۷ نعیم الحق نعیم
ن۰۷د دعوت واصلاح کے چند اہم اصول، ص:۱۲۲، رضیہ شریف ٹرسٹ لاہور۔س،ن

۲۹۷ء۰۷ غلام احمد حریری
ح۳۴ا اسلامی دستور حیات، ص:۴۴۲، پولیمر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء

۲۹۷ء۰۸ خواجہ عباد اللہ اختر
۳۰۵ا م مذاہب اسلامیہ، ص:۳۳۳، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۲ء

۲۹۷ء۰۸ ڈاکٹر عمر فاروق ڈوگر
ع۹۴ت تحقیق کے بنیادی عوامل وارکان (قرآن کی نظر میں)، ص:۱۴۳، ڈائریکٹر سید مودودی بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ لاہور ۱۹۹۹ء

۲۹۷ء۰۸ محمد سہیل عمر
ع۹۴ر روایت، ص:۴۴۷، مکتبہ روایت لاہور ۱۹۸۳ء

۲۹۷ء۰۹ محمد اسماعیل سلفی
م۳۰ت تحریک آزادئ فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، ص:۲۴۸، مکتبہ نذیریہ قصور ۱۹۶۶ء

۲۹۷ء۰۹ مسعود عالم ندوی
م۶۲۵ھ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص:۱۷۹، مطبوعات سلیمانی لاہور ۱۹۷۹ء

۴۰۱ء۲۹۷ حافظ محمد الیاس اثری
۱۹۹ا اوصاف مومن، ص:۷۷، محمد یوسف ملک نزد صغیر پارک روڈ گوجرانوالہ ۱۹۸۹ء
۴۰۱ء۲۹۷ پروفیسر سید اللہ بخش گیلانی
۶۵آ آیات بینات، ص:۱۲۰، انجمن تہذیب الاسلام لاہور ۱۹۶۵ء
۴۰۱ء۲۹۷ محمد اسحاق
۸۷۳ص صداقت قرآن، ص:۳۲، ادارہ کتاب وحکمت فیصل آباد۔ س،ن
۴۰۱ء۲۹۷ ڈاکٹر اسرار احمد
۷۳۸ج جہاد بالقرآن، ص:۱۵۶ انجمن خدام القرآن لاہور۔ س،ن
۴۰۱ء۲۹۷ ڈاکٹر اسرار احمد
۷۳۸ق مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق، ص:۸۰، انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۸۲ء
۴۰۱ء۲۹۷ محمد تقی عثمانی
ت۶۶م مقدمہ معارف القرآن، ص:۴۰، ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۴ھ
۴۰۱ء۲۹۷ مولانا محمد منظور نعمانی
ن۶۷ق قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ ص:۳۴۴، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۲ء
۱۰۹ء۲۹۷ مولانا محمد عبدہ الفلاح
م۵۱۷ت تاریخ قرآں جمع وتدوین اور مصاحف عثمانی، ص:۹۲، عبداللہ سلیم ناظم نشر واشاعت دارالحدیث منڈی راجووال ساہیوال۔ (مجموعہ ۴ کتب)
۲۔ فہم قرآن کے بنیادی اصول، ص:۲۳، مولانا محمد عبدہ الفلاح
۳۔ اتباع الرسول بصریح المعقول، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ص:۳۶، مترجم: عبدالرحمٰن عزیز
۴۔ دین الفطرت، علامہ عبدالعزیز، ص:۵۸

۴۰۱ء۲۹۷ اکبر شاہ خان نجیب آبادی
۶۱۸ف فصل الخطاب، ص:۱۲۰، مکتبہ عبرت نجیب آبادی (یوپی) ۱۹۳۷ء
۴۰۱ء۲۹۷ ڈاکٹر شیخ احمد دیدات، مترجم: عنایت اللہ
د۸۷۹ق قرآن معجزہ جاوداں، ص:۱۲۴، الکتاب والسنہ لائبریری چونیاں سٹی قصور۔ س،ن
۴۰۱ء۲۹۷ سید محمد رفاعی
ر۳۷۷ت تفسیر رفاعی کی خصوصیات، ص:۱۶، دینی کتب خانہ رفاعی منزل لاہور۔ س،ن
۴۰۱ء۲۹۷ حافظہ سیدہ سعدیہ
س۲۹۲ز زینت القرآن، ص:۶۴، المدینہ سٹریٹ عمر کالونی مصطفیٰ آباد لاہور ۲۰۰۲ء
۴۰۱ء۲۹۷ مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ش۸۱ا اسلام اور عصر حاضر، ص:۱۵۹، المکتبۃ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ لاہور ۱۹۸۸ء
۴۰۱ء۲۹۷ حکیم سید عبدالرحمٰن شاہ
ع۳۴ا احکام القرآن، ص:۱۱۲، ادارہ تبلیغ اسلام اہل حدیث جام پور۔ س،ن
۴۰۱ء۲۹۷ عبدالرحمٰن عاجز
ع۱۴ا انسان نشان رحمان، ص:۵۸۴، رحمانیہ دارالکتب فیصل آباد ۱۹۹۳ء
۴۰۱ء۲۹۷ شاہ عبدالرحیم صاحب
ع۳۵ع عظمۃ القرآن، ص:۱۶، شانتی پرنٹنگ پریس سہارنپور۔ س،ن
۴۰۱ء۲۹۷ ابن عبداللہ
ع۵۸س سبیل المومنین، ص:۱۴۴، کمال بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات ۱۹۹۵ء
۴۰۱ء۲۹۷ علی اکبر، مترجم: میاں محمد افضل
ع۹۰ا اسرائیل قرآن کی روشنی میں، ص:۲۲۴، شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی ۱۹۹۲ء

۱۰۴ء۷ ۲۹ پروفیسر حافظ محمد فاروق
ف۱۹ چ چشمہ رحمت، ص:۱۲۸، مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ اسلامیہ پارک لاہور ۱۹۹۷ء
۱۰۴ء۷ ۲۹ ابوجنید عمر لودھی
ع۹۴ا اللہ کی کتاب، ص:۲۴، زیدی پرنٹرز ریلوے روڈ بہاولپور۔ س،ن
۱۰۴ء۷ ۲۹ ابوموسیٰ کریم
ک۴۵ ق قرآنِ مجید اور ہمارے علمائے کرام، ص:۶۷، ادارہ فکر اسلامی کراچی ۱۹۹۳ء
۱۰۴ء۷ ۲۹ عبدالرحمٰن کیلانی
ک۹۴ آ آئینہ پرویزیت (حصہ سوم) قرآنی مسائل، ص:۲۰۷۴، مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور ۱۹۸۷ء
۱۰۴ء۷ ۲۹ عبدالرحمٰن کیلانی
ق۱۹۰۴ قرآن نافہمی کے اسباب اور اس کا حل، ص:۳۲، انجمن تعمیر اخلاق لاہور۔ س،ن
۱۰۴ء۷ ۲۹ حافظ مبشر حسین
م۱۸۹ا انسان اور قرآن، ص:۱۸۰، مبشر اکیڈمی لاہور ۲۰۰۶ء
۱۰۴ء۷ ۲۹ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، مترجم: محمود احمد غضنفر
م۲۸۱ ف فضائل قرآن، ص:۳۲، مرکز الدعوۃ الاسلامیہ ملتان روڈ لاہور ۱۹۸۱ء۔ (مجموعہ ۷ کتب)

۲۔ دین کے چار بنیادی اصول، محمد بن سلیمان التمیمی، ص:۸
۳۔ العقیدہ الطحاویۃ، ابوجعفر الوراق الطحاوی، مترجم: محمود احمد غضنفر، ص:۲۴
۴۔ مسلمان اور احکامِ شریعت، عبدالمحسن العباد، مترجم: محمود احمد غضنفر، ص:۳۱
۵۔ سگریٹ نوشی، محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف آل شیخ، مترجم: محمود احمد غضنفر، ص:۱۶
۶۔ میدانِ عمل میں اختلاط مرد وزن کے خطرناک نتائج، عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، مترجم: محمود احمد غضنفر، ص:۲۰
۷۔ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت (فتویٰ) عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، مترجم: محمود احمد غضنفر، ص:۱۶

۱۰۴ء۷ ۲۹ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
م۹۰۷ ح حلاوۃ القرآن بتلاوۃ القرآن، ص:۶۵، ادارۃ التبلیغ نظام آباد وزیرآباد۔ س،ن
۱۰۴ء۷ ۲۹ پروفیسر محترمہ نسیم اختر ایم۔اے
ن۴۸ا امام شوکانی اور تفسیر فتح القدیر، ص:۴۲، شیخ محمد اشرف ناشران قرآنِ مجید و تاجران کتب لاہور ۱۹۹۳ء
۱۰۴ء۷ ۲۹ حمید نسیم
ن۴۸ ت ایک جائزہ تعارف الفرقان، ص:۳۴، فضل سنز لمیٹڈ لاہور۔ س،ن
۱۰۴ء۷ ۲۹ محمد یوسف اصلاحی
ی۰۷ د درسِ قرآن، ص:۸۰، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۹۳ء
۱۰۷ء۷ ۲۹ ڈاکٹر اسرار احمد
ا۳۸۷ م مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب (نصف اوّل)، ص:۲۰۷، انجمن خدام القرآن لاہور۔ س،ن
۱۰۷ء۷ ۲۹ آمنہ رضیہ سلطانہ
را۷ ت ترتیل القرآن، ص:۱۱۱، قرآن اکیڈمی اردو بازار لاہور ۱۹۹۷ء
۱۰۴ء۷ ۲۹ امام یحییٰ بن شرف الدین نووی
ن۱۹ آ آداب حاملین قرآن، ص:۱۲۰، مکہ کتاب گھر اردو بازار لاہور ۱۹۹۹ء
۱۰۷ء۷ ۲۹ حافظ محمد الدین صاحب
م۴۲ م معلم القرآن میزان الفرقان، ص:۱۲۴، درسی پرنٹنگ پریس گجرات۔ س،ن
۱۰۷ء۷ ۲۹ انصار زبیر محمدی
م ۵۶۸۷ ب بسم اللہ کے فضائل واحکام، ص:۱۴۱، آفس جمعیۃ اہل حدیث ۹۸ سوداگر محلّہ بھیونڈی ۱۹۹۳ء

۲۹۷ء۱۰۷ خلیل الرحمٰن چشتی
خ۱۰۷د درسِ قرآن کی تیاری کیسے کی جائے، ص:۷۰، الفوز اکیڈمی اسلام آباد ۲۰۰۰ء
۲۹۷ء۱۰۴ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری
ت۲۷ت تعلیم القرآن، ص:۲۴، آفتاب برقی پریس امرتسر ۱۹۳۰ء (مجموعہ ۳ کتب)
۲۔ قرآن اور دیگر کتب، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، ص:۱۶
۳۔ سلمان امرتسر کا خاص نمبر، تبر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، ص:۱۸
۲۹۷ء۱۰۸ پروفیسر محمد سرور
و۸۶س رمغان شاہ ولی اللہ، ص:۵۲۲، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۸۶ء
۲۹۷ء۱۰۴ مولانا عبدالماجد دریابادی
۵۰۶۴م مطالعہ قرآن بیسویں صدی میں، ص:۲۰۵، سروسز بک کلب لاہور ۱۹۹۰ء
۲۹۷ء۱۰۴ پروفیسر غلام نبی طارق
ط۲۱ق القرآن شیء عجیب، ص:۵۹۵، نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور ۲۰۰۵ء
۲۹۷ء۱۰۷ محمد اقبال کیلانی
ا۶۰ف فضائل قرآنِ مجید، ص:۲۶۴، حدیث پبلی کیشنز لاہور۔ س،ن
۲۹۷ء۱۱ حافظ محمد اسحاق
ا۲۷۸ی یہود ونصاریٰ قرآن کی نظر میں، ص:۶۰۷، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۲۰۰۴ء
۲۹۷ء۱۱ مولانا سراج القادری
س۱۴۱ا انوار قرآن، ص:۴۸، الدار السنیہ ناگپاڑہ بمبئی ۲۰۰۱ء
۲۹۷ء۱۱ ڈاکٹر ایڈورڈ سبیل صاحب
س۹۶۹ک کشف القرآن، ص:۱۹۹، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۰۲ء
۲۹۷ء۱۲ کرنل ڈاکٹر عبدالقدیر
ع۴۸۱د دعوت، ص:۳۶۳، کمبائن پرنٹرز گارڈی ٹرسٹ بلڈنگ لاہور۔ س،ن
۲۹۷ء۱۲ ممتاز عمر
م ہم نے آج تراویح میں کیا پڑھا؟ ص:۴۶، جماعت اسلامی لاہور۔ س،ن
۲۹۷ء۱۲ اشفاق الرحمٰن خان
ا۴۶ع عکس قرآن، ص:۳۳۰، ڈی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور ۲۰۰۵ء
۲۹۷ء۱۲ چوہدری منیر احمد مہر
م۷۷ت تجریۃ القرآن، ص:۲۰۱۷، علی مسجد گجرات ۲۰۰۳ء، مکان نمبر B-13/1088
۲۹۷ء۱۲ حاجی چراغ دین
ج۲۱ن الفاظ القرآن مسمّٰی بہ نجوم الفرقان جدید، ص:۲۷۶، اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱۳۴۴ھ
۲۹۷ء۱۲ مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی
ف۹۸ن نظم البیان بلطائف القرآن، ص:۲۳۳، ادارہ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۹۳ء
۲۹۷ء۱۲ شیخ محمد نصیب صاحب
ن۵۳۷م مصباح القرآن، ص:۱۰۴، دی چلڈرن قرآن سوسائٹی لاہور ۱۹۸۵ء
۲۹۷ء۱۲ خواجہ عبدالحی فاروقی
ف۲۱ذ ذکرے، ص:۳۲۸، احسن برادرز چوک انارکلی لاہور ۱۹۵۲ء
۲۹۷ء۱۲ ادارہ درس واشاعت اسلام
۱۱۳ق قرآنی آیات، ص:۱۱۲، شارع قائداعظم لاہور۔ س،ن
۲۹۷ء۱۲ محمد اقبال کیلانی
ک۹۴ت تعلیماتِ قرآن مجید، حدیث پبلی کیشنز شیش محل روڈ لاہور ۲۰۰۶ء

ابو ہریرہؓ شریعہ کالج میں داخلہ لیجیے ۞ چار سال میں سندِ قرات، درسِ نظامی اور گریجویشن

حضرات اس سچائی سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ملک میں یہ پہلا ادارہ ہے جس میں 1997ء سے درسِ نظامی کے ساتھ لازمی (Compulsary) ایف۔اے، بی۔اے کروایا جارہا ہے۔ابو ہریرہؓ شریعہ کالج کے امتیازات:

کمبائن نصابِ تعلیم کا بانی ☆ تفسیر فہم القرآن اور دیگر کتب کا ناشر ☆ تحریک دعوتِ توحید کا محرک

داخلہ 10 مئی تا یکم جون

میرٹ میٹرک، ایف۔اے: میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں تاہم فیل ہونے کی صورت میں انہیں فارغ کر دیا جائے گا۔

سہولیات

تعلیم، رہائش، کھانا معیاری اور فری تاہم درسِ نظامی اور کالج کی کتب طالبعلم کے ذمہ ہونے کے ساتھ اسے اپنی مالی استعداد کے مطابق کچھ ماہانہ زرتعاون جمع کروانا ہوگا۔ تا کہ کلیتًا مفت خوری سے اجتناب اور طلباء میں خودداری پیدا ہو سکے۔

نصاب شریعہ کالج

سال اول: ترجمۃ القرآن سورۃ الفاتحہ تا الاعراف، مشکوٰۃ المصابیح اول، علم النحو، علم الصرف، ابواب الصرف، دروس اللغۃ العربیۃ (دو حصے)۔

تجوید القرآن: تحبیر التجوید، حفظ تیسواں پارہ (آخری نصف) فرسٹ ائیر نصاب بمطابق انٹرمیڈیٹ بورڈ لاہور

سال دوم: ترجمۃ القرآن سورۃ الاعراف تا سورۃ النمل، مشکوٰۃ المصابیح ثانی، نحو میر، شرح مائۃ عامل، کتاب الصرف، اطیب المنح، معلم الانشاء (دو حصے)۔

تجوید القرآن: تحشیر التجوید، حفظ تیسواں پارہ (نصف اول) سورۃ السجدۃ، الجمعۃ، المنافقون سیکنڈ ائیر بمطابق انٹرمیڈیٹ بورڈ لاہور۔

سال سوم: ترجمۃ القرآن سورۃ النمل تا سورۃ الناس، مسلم شریف، ترمذی شریف، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، السراجی، شرح نخبۃ الفکر، تجوید القرآن: فوائد مکیہ، حفظ 29 پارہ (آخری نصف) سورۃ الحشر تھرڈ ائیر نصاب بمطابق انٹرمیڈیٹ بورڈ لاہور۔

سال چہارم: بخاری شریف، ہدایہ، الوجیز، شرح ابن عقیل، الفوز الکبیر، تجوید القرآن: حفظ 29 پارہ (نصف اول) فورتھ ائیر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی۔

یاد رہے مذکورہ بالا نصاب پوری محنت کے ساتھ یاد کروایا جاتا ہے اس میں کوئی کتاب ادھوری نہیں چھوڑی جاتی

منفرد تفسیر: فہم القرآن

امتیازات

1 رازی و دیگر تفاسیر کے اہم نکات پر مشتمل
2 محاورۃ اور لفظی ترجمہ
3 ربط کلام کا اہتمام
4 ہر آیت کے مسائل کی الگ الگ نشاندہی
5 آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر بالقرآن کے ذریعے ایک مکمل تقریر

جلد اول ۱ تا ۵، دوم ۶ تا ۱۰ پاروں پر مشتمل

قیمت سیٹ: 1000 روپے

فہم الحدیث

مشکوٰۃ المصابیح میں سے اسی ترتیب کے مطابق متفق علیہ اور بخاری مسلم کی مکمل روایات کا ترجمہ، تفہیم اور ہر حدیث کے الگ الگ مسائل کا بیان۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد 80% مسائل کسی عالم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

قیمت سیٹ: 780 روپے

ابو ہریرہ اکیڈمی کی نشریات ☆ از قلم میاں محمد جمیل

- دین تو آسان ہے (۵۰ روپے)
- مشکلات کیوں؟ نکلنے کے الہامی راستے (۴۵ روپے)
- انبیاء علیہم السلام کا طریقہ دعا (۴۰ روپے)
- سیرت ابراہیم علیہ السلام (72 روپے)
- برکاتِ رمضان (۴۰ روپے)
- جادو کی تباہ کاریاں۔ ان کا شرعی علاج (۴۰ روپے)
- اتحادِ امت اور نظم جماعت (۵۰ روپے)
- آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن (78 روپے)
- آپ ﷺ کا حج (18 روپے)
- زکوٰۃ کے مسائل و فوائد (54 روپے)
- فضیلت قربانی اور اس کے مسائل (36 روپے)
- آپ ﷺ کی نماز قیام و سجود کی عملی تصاویر (۱۵ روپے)

ملنے کے پتے: دارالسلام ○ نعمانی کتب خانہ ○ مکتبہ سلفیہ ○ مکتبہ قدوسیہ ○ مکتبہ رحمانیہ ○ مکتبہ اسلامیہ

براہ راست منگوانے والوں کے لیے 40% رعایت

میاں محمد جمیل پرنسپل ابو ہریرہؓ شریعہ کالج 37۔کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔فون: 0333-4566379 / 042-5417233